اتحاد بین المسلمین

دردمند دلوں کی آوازیں

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی صاحب قبلہ طاب ثراہ

خاندان اجتہاد حضرت غفران مآبؒ سے لے کر آج تک اتحاد بین المسلمین کا داعی ہے اور اس امر کا ثبوت یہ مضمون بھی ہے جو شیعہ، سنی فساد کے بعد سرکار سید العلماء نے شائع کروایا تھا۔ مضمون کی افادیت کے پیش نظر اسے مؤسسہ نور ہدایت کے ترجمان ماہنامہ میں شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

امامیہ مشن لکھنؤ اپنے اصول دین و مذہب کی علمی واستدلالی طور پر نشر واشاعت کے ساتھ ہمیشہ معاشرتی واجتماعی دائرہ میں اتحاد بین المسلمین کا حامی رہا ہے چنانچہ آج سے پینتیس برس پہلے سرکار سید العلماء کی دس معرکہ آرا تقریریں جو لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ کے زیر عنوان ہوئی تھیں مشن نے شارٹ ہینڈ سے قلم بند کرا کے بصورت کتاب شائع کی تھی۔ یہ کتاب بالاتفاق مشن کے بڑے گرانقدر نشریات میں سے سمجھی جاتی رہی ہے اور اسی لئے اب جب کہ وہ عرصہ سے نایاب تھی اس کا تازہ ایڈیشن شائع کردیا گیا ہے جو بحمد اللہ اب مشن میں موجود ہے۔ پھر لَا تُفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ کی پہلی مرتبہ اشاعت کے بعد بھی جب فریقین میں ایک تصادم کی صورت پیدا ہوگئی تو سرکار سید العلماء کا ایک ادبی انداز کا مضمون جو ''اتحاد'' کی سرخی سے اخباروں میں شائع ہوا تھا، مشن نے پمفلٹ کی صورت میں چھاپ کر ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیا۔

پھر بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور اب صورت حال مرض کے اس آخری درجہ پر پہنچ گئی جس کے بعد چارہ گر مایوس ہوجاتے ہیں لیکن ہم ایک ضروری ریکارڈ کی حیثیت سے مضمون ''اتحاد'' کو شائع کررہے ہیں۔ اور پھر اہلسنت کے علماء وزعماء کی اپیل متعلق اتحاد فریقین کو ضروری اضافہ اور وضاحت کے ساتھ جو سرکار سید العلماء کے قلم حقیقت رقم سے ہے شائع کررہے ہیں نیز بعض دوسرے گرانقدر مضامین تاکہ اس سلسلہ میں مشن کا کردار کا جو ہونا چاہئے اس میں کوتاہی وقوع میں نہ آئے۔

والسلام

سید نظیر حسین، سکریٹری امامیہ مشن، لکھنؤ

(یہ مضمون پہلے اخبار ''عدالت'' لکھنؤ کے شمارہ ۱۴؍ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۴؍جون ۱۹۳۷ء اور سرفراز لکھنؤ کے شمارہ ۱۵؍ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۵؍جون ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا۔ پھر امامیہ مشن لکھنؤ نے پمفلٹ کی صورت میں ہزاروں کی تعداد میں اسے تقسیم کیا)

اتحاد

میری صدا بے ہنگام، میرا نغمہ بے آہنگ اور میرا پیغام بے محل سمجھا جائے گا!! آندھی کے جھکڑوں میں مروجہ جنبانی، موسلا دھار طوفانی بارش میں فوارے کی لطیف ریزش، بدبودار کثیف وغلیظ نالوں کے بیچ میں بھینی بھینی پھولوں کی خوشبو اور نقار خانہ میں طوطی کی آواز جاذب توجہ نہیں ہوسکتی تو افتراق کی ہوا اور باہمی آویزشوں کی فضا میں، اس کشمکش دست وگریباں اور اس ہنگامہ دار وگیر میں کوئی بے شور وشر دھیمی اور پرسکون آواز کب سنی جاسکتی اور کس طرح موجب توجہ قرار پاسکتی ہے۔ مگر کیا کروں کہ میرے دماغ کی فضا، میرے دل کی گہرائی، میرے سینہ کی وسعت اور میرے احساسات کے ایوان سب اسی ایک نغمہ سے معمور ہیں۔ میں سوچتا ہوں تو یہی سمجھ میں آتا ہے۔ لکھتا ہوں تو یہی قلم سے نکلتا ہے اور بولتا ہوں تو یہی زبان سے جاری ہوتا ہے۔

کوئی مجھے ''پردادا'' کہے تو برا نہ مانوں گا۔ کوئی مجھے ''بے حس'' خنک طبیعت کہے تو میں خاموش رہوں گا، کوئی مجھے ''پست ہمت'' اور ''کج دل'' کہے تو ہنس دوں گا لیکن کہوں گا وہی جو سمجھتا ہوں۔ لکھوں گا وہی جو جانتا ہوں، کروں گا وہی جسے صحیح طریقۂ کار سمجھوں گا۔

کاش میں متلون مزاج ہوتا کہ دوسروں کے رنگ میں آسانی سے رنگ جاتا! کاش میں 'کمزور طبیعت' ہوتا کہ اعتراضات کے دباؤ سے جلدی اپنی جگہ چھوڑ دیتا! کاش میں 'مسلم الثبوت لیڈر' ہوتا کہ ہوا کا رخ دیکھ کر اس طرف اپنی قوت عمل کو موڑ دیتا! کاش میں ''غرض مند'' ہوتا کہ اپنے منافع کی فکر میں قوم کو 'تلخ سچائی' کی بات سنانے سے گریز کرتا اور جدھر وہ جائے اُدھر خود بھی چلا جانا پسند کرتا! کاش میں بھی 'جذباتی' شخص ہوتا کہ تعصب ومخالفت کی اشتعال انگیزیوں سے مشتعل ہوکر اپنے سوچنے اور سمجھنے کی طاقتوں کو خیر باد کہہ دیتا کاش میں 'ظاہر بین'، 'ناعاقبت اندیش' ہوتا کہ وقتی کامیابی یا بات کے عیاں ہوجانے کو سب کچھ سمجھ کر نتائج سے آنکھ بند کرلیتا اور 'فریب حاضر' میں مبتلا ہوکر مستقبل کے لحاظ سے کنارہ کشی کرلیتا مگر افسوس میں اتنا 'بے حس' ہوں کہ کسی مقرر کی اشتعال انگیز تقریر مجھے مشتعل نہیں بناتی۔ صد حیف میں اتنا 'سرد طبیعت' ہوں کہ کوئی دل آزار تحریر مجھے ازخود رفتہ نہیں کرتی۔ واحسرتا! میں اتنا وہمی ہوں کہ ہر چیز میں مجھے آئندہ کے خطرات سامنے آجاتے ہیں اور میرے قدم کو بے راہ روی سے روکتے ہیں اور وائے ناکامی کہ میں قوم کو اسی راستے کا سالک دیکھنا چاہتا ہوں جس پر میں خود سالک ہوں۔

ہائے میری نگاہ کی خطا کہ جس خیال کو میں پہلے 'خطرہ' کی صورت میں دماغ کے اندر گردش کرتا ہوا پاتا ہوں، وہی پھر واقعہ کی صورت میں اپنی آنکھوں کے سامنے پاتا ہوں اور اُف ری میرے تصوّرات کی سرابی دنیا کہ میں خواب دیکھتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ یہ حقیقت ہے جو عالم واقعی میں محسوس صورت پر پیش نظر ہے۔

میں نے مہینوں پہلے 'صلح وآشتی' کی صاف وشفاف فضا میں 'فساد' کا نقشہ دیکھا اور سناٹے میں آندھی کے جھکڑ دکھائی دیئے۔ میں نے پکارا ''لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ'' دس دن تک چیختا رہا۔ کسی نے سنا، کسی نے نہ سنا اور

جس نے سنا اس نے غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ آواز فضا میں گم ہوگئی۔ میں تھک کر خاموش ہوگیا۔ لیڈروں نے توجہ نہیں فرمائی اور فرزندان ملت نے التفات نہیں کیا۔ میں سمجھا اور نہیں سمجھا تو دل کو سمجھانے کی کوشش کی کہ جو میں سمجھا تھا وہ غلط تھا مگر اسے کیا کروں کہ اب دیکھ رہا ہوں اسی کاسہ سر کی آنکھوں سے وہ سب جسے دیکھ رہا تھا اس وقت تصور وخیال کے عالم میں۔

اگر میں اب بھی سوفسطائی بن کر، یہ سمجھنے کی کوشش کروں کہ جو دیکھتا ہوں، غلط ہے تو کیا میرے سمجھ لینے سے واقفیت بدل جائے گی؟ کیا مقتولین کے خون کے دھبے تاریخ کے دامن سے مٹ جائیں گے؟ کیا رانڈوں کی صدائے فریاد فضائے فنا میں محو ہوجائے گی؟ کیا یتیموں کے رونے کی آوازیں ہنسی کے قہقہوں میں تبدیل ہوجائیں گی اور کیا زخمیوں کے مجروح اعضاء اور ان کے جسم کے شکستہ حصے درد والم اور سوزش وطپش سے نجات پاجائیں گے؟

پھر کیا ماخوذین کے چالان اور ان کے خلاف دائر شدہ رپورٹیں کاغذ کے صفحوں سے محو ہوجائیں گی؟ ان پر عائد شدہ الزامات پولیس اور حکام کے دل ودماغ سے فراموش اور ان کی طرف منسوب شدہ جرائم کی فہرست ایکدم سادہ ہوجائے گی؟ کیا مقدمات نہیں چلیں گے کیا سزائیں نہیں ہوں گی اور کیا جرمانے وصول نہیں کئے جائیں گے؟

یاد رہے کہ یہ تمام مصائب، یہ تمام تکالیف، یہ تمام تلخ نتائج کسی ایک فریق سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ دونوں ہی فریقوں پر ان مصائب کا درد اور دونوں ہی کے لئے یہ شدائد وآلام ہیں۔

اس صورت میں کیا اب بھی وقت نہیں آیا ہے کہ مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں، وہ اپنے طریقۂ کار کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ ان کی حیات قومی اور بقائے ملی کے لئے کس طرز عمل کی ضرورت ہے؟

دنیا سے مذہب رخصت ہورہا ہے عالم مذاہب میں اسلام پر چاروں طرف سے حملے ہورہے ہیں۔ سیاست وتمدن کے میدان میں جنگ برپا ہے جس میں اسلامی روایات خطرہ میں ہیں۔ یہ بھی بالکل معلوم ہے کہ آپ اپنے درمیان کتنی ہی مغایرت سمجھیں لیکن غیروں کی طرف سے اسلام پر جو حملہ ہوگا، اس کا اثر سب ہی فرقوں پر پڑے گا اور کوئی جماعت اس سے مستثنیٰ نہ رہے گی۔

آپ کے درمیان کبھی اتفاق مذہبی ہوجائے یعنی کوئی فریق بالکل اپنے مذہب سے کنارہ کش ہوکر دوسرے کا ہم نوا بن جائے، غیر ممکن۔

آپ میں کوئی دوسرے کو بالکل پامال کردے، اس طرح کہ وہ فنا ہوجائے جس کے بعد بس ایک رہ جائے، یہ بھی محال اس صورت میں اگر حالات کو خوشگوار نہ بنایا گیا اور فراخ حوصلگی ورواداری سے کام نہ لیا گیا تو باہمی تصادم کا لامحدود سلسلہ ہوگا جو قائم ہوجائے گا اور جس کے نتیجہ میں دونوں طاقتیں ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہوجائیں گی اور انجام میں اسلام کمزور ہوگا جو دونوں ہی کا نقطۂ مشترک ہے۔

اس دوران میں یقیناً ایسے دشمن کو جو ان دونوں کا یکساں حریف ہے موقع ملے گا کہ وہ ان کی باہمی آویزش اور خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر ایک ایسا حملہ کرے جو ان دونوں

ہی کو ختم کر دے۔ کیا مسلمان اس کے لئے تیار ہیں؟ اگر تیار نہیں ہیں اور ہرگز تیار نہ ہونا چاہئے تو کیا اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنے درمیان اخوت اسلامی کے مردہ احساس کو زندہ کریں۔ شکوہ شکایت کے دفتر کو بند کر دیں اور بڑھ کر ایک دوسرے سے گلے مل جائیں۔ وہ سمجھیں کہ ہم عرصہ سے جس راستے پر چل رہے تھے، وہ غلط ہے۔ اس لئے کہ اس نے ہمارے درمیان افتراق واختلاف کے جراثیم پیدا کر دیئے ہیں جن کے خطرناک اثرات نے آج اس وبائے عام کی شکل اختیار کی۔ وہ گورنمنٹ سے بھی صاف کہہ دیں کہ آپ ہمارے معاملات میں دخل نہ دیجئے۔ ہم آپس میں ملیں گے اور بھول جائیں گے تمام اُن جھگڑوں کو جو کچھ عرصہ سے پیدا ہوئے ہیں اور آجائیں گے اسی خاموش اور پرسکون فضا میں جو پہلے تھی اور جس پر ہم اطمینان کی سانس لے رہے تھے۔ ہم کچھ نہیں چاہتے اور نہ کچھ مطالبہ رکھتے ہیں۔ ہمیں جینے اور جینے دینے سے کام ہے۔ لڑانا اور باہمی تصادم کرانا مفسد لیڈروں کا کام ہے جن سے اب ہم گریزاں ہیں اور ان کی بات سننے پر تیار نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ فریقین کی جانب سے تمام مقدمات اٹھا لئے جائیں۔ مشترک اعانتی ادارے قائم ہوں جن سے بلاتفریق مصیبت زدگانِ فساد کی امداد کی جائے اور اس کے کچھ عرصے بعد باہمی تعلقات ایسے خوشگوار ہوں کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ ان کے درمیان کبھی کوئی رنجش ہوئی تھی......اللہ!...... یہ میرا خواب کتنا خوشگوار ہے۔ کیا تعبیر اس کے موافق ہوگی؟۔

نوٹ: یہ مضمون اس وقت کے حالات سے متعلق تھا۔ اس طویل مدت میں حالات بد سے بدتر ہو گئے اور نوعیت ان کی بہت بدل گئی ہے، اس لئے اصل مرکزی مقصد یعنی ضرورت اتحاد واتفاق کو محفوظ رکھتے ہوئے باقی اور بہت سے اجزاء کو موجودہ دور کے متعلق نہیں سمجھنا چاہئے۔

علی نقی النقوی

۱۳۹۹/۲/۳۰ھ

باب ۱

سنّی مسلمانوں سے ایک دردمندانہ اپیل

وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدَاهُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوْا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْءَ اِلٰی اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآئَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ۔ اِنَّمَا الْمُؤمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

(پ۲۶ سورہ الحجرات، آیت ۱۰۹)

(اگر مسلمانوں کے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو پھر اگر ان میں کا ایک فرقہ دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ حکم خدا کی طرف رجوع کرے پھر جب رجوع لے آئے تو فریقین میں برابری کے ساتھ صلح کراؤ اور انصاف کو ملحوظ رکھو۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ مسلمان...... آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں میل جول کرا دیا کرو اور خدا کے غضب سے ڈرتے رہو تاکہ خدا کی طرف سے تم پر رحم کیا جائے۔) (معارف پریس اعظم گڑھ)

شیعہ سنی کا جھگڑا اسلامی تاریخ کا ایک بہت ہی المناک واقعہ ہے۔ اس سے دونوں فرقوں کو جو غیر معمولی نقصان پہنچا ہے اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں لیکن ادھر ان جھگڑوں کے جو خطرناک پہلو سامنے آئے ہیں، ان کو دیکھ کر ہر سنجیدہ مسلمان کا دل بے قرار ہوگیا ہے۔ یہ بڑے شرم وغیرت کا مقام ہے کہ ان جھگڑوں میں نہ صرف حکومت بلکہ جن سنگھ کو بھی مداخلت کی ضرورت پیش آ گئی مسلمانوں کو نقصان مایہ کے ساتھ شماتت ہمسایہ کا بھی تلخ گھونٹ پینا پڑا۔ یہ کھلی حقیقت ہے کہ اگر یہ دونوں فرقے اپنی ضد اور نادانی پر قائم رہے تو دونوں کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور دونوں کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔

اس سے انکار نہیں کہ شیعوں اور سنیوں کے عقائد میں بعض بنیادی اختلافات ہیں۔ اس کے باوجود اختلاف کے مقابلہ میں وحدت کے پہلو زیادہ ہیں۔ دونوں توحید ورسالت کے قائل ہیں، دونوں کا رسول ایک، قبلہ ایک، عبادت میں روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ یا خمس دونوں کے یہاں ارکان اسلام میں ہیں۔ معاملات کے بہت سے مسائل یکساں ہیں۔ دونوں کی تہذیب بھی ایک ہے۔ وحدت کے اتنے پہلوؤں کے ہوتے ہوئے بھی، آپس میں ایسا اختلاف جو عناد اور دشمنی کی حد سے گزر کر کشت وخون تک پہنچ جائے نہ صرف نادانی بلکہ اسلام کی بے چینی ہے۔

صفی لکھنوی نے ایک زمانہ میں شیعہ سنی کے جھگڑوں سے متاثر ہوکر ان دونوں کو مخاطب کر کے کیا خوب کہا ہے:

ایسے محل پہ دوستو! رخنہ گری ہے خودکشی
ہم بھی اسی جہاز میں، تم بھی اسی جہاز میں

جھگڑا اہلبیتؑ کی محبت کے مدارج کا ہے۔ شیعوں کو اہلبیتؑ سے بڑی محبت ہے لیکن دوسرے فرقوں کو بھی کم نہیں۔

امام شافعیؒ کا ایک شعر ہے:

كَفَاكُمْ، مِنْ عَظِيْمِ الْقَدْرِ اَنَّكُمْ،
مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلٰوةَ لَهُ

یعنی اہلبیتؑ کی عظمت کے لئے یہ کافی ہے کہ جو ان پر درود نہ بھیجے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی نماز میں آل رسولؐ پر درود بھیجنا ضروری ہے۔ چنانچہ سنی ہر نماز میں نہ صرف رسولؐ بلکہ آل رسولؐ پر بھی درود بھیجتے ہیں۔ امام شافعی کا ایک شعر یہ بھی ہے:

اِنْ كَانَ رِفْضًا حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ
فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اِنِّي رَافِضِي

(اگر آل محمدؐ سے محبت کرنے کا نام شیعیت ہے تو جن وانس دونوں گواہ رہو کہ میں شیعی ہوں)

اکثر وبیشتر صوفیہ کرام کا شجرہ بیعت حضرت علیؑ ہی پر منتہی ہوتا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ انہی کی روحانی عظمت وخلافت کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

مولانا محمد علی جوہر مرحوم تو کربلا کے واقعات سے ایسے متاثر تھے کہ وہ ان کو اسلام کی حیات نو کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے۔ ان کا یہ شعر آج بھی دلوں کو تڑپاتا ہے:

قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

آل رسولؐ کی محبت کے بعد خلفائے راشدین کی عقیدت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اگر شیعوں کو بعض خلفاء سے عقیدت نہیں تو بھی ان کے تاریخی کارناموں کی داد اچھی طرح دی ہے۔ اس طرح دوسرے شیعہ بھی ان کی تاریخی عظمت کا اعتراف کرلیں۔

آخرت میں کسی شیعہ سے یہ پرسش نہ ہوگی کہ اس نے تبرّا کیوں نہیں کیا اور نہ کسی سنی سے یہ باز پرس ہوگی کہ اس نے مدح صحابہ کیوں نہیں کی لیکن اس کی پرسش دونوں سے ضرور ہوگی کہ آپس میں لڑکر امت مسلمہ کو نقصان پہنچایا اور اسلام کی تضحیک وتذلیل کی۔

ہندوستان میں شیعہ سنی جھگڑے کی تفصیل جب دہلی کے ریڈینس (Radiance) اخبار میں شائع ہوئی تو کاظمین کے مذہبی پیشوا اور اعلم نے یہاں کے جھگڑوں پر بڑا درد والم کا اظہار کیا اور انھوں نے لکھا کہ ہندوستان سے تین سنی اور تین شیعہ عالم ان کے پاس آجائیں تو ان جھگڑوں کا وہ خاطر خواہ تصفیہ کرانے کی کوشش کریں لیکن تصفیہ اس وقت ہوتا ہے جب فریقین میں صلح وآشتی اور رواداری کا جذبہ ہو۔ جھگڑا جب خودغرض لوگوں کے لئے پیشہ اور تجارت بن جائے تو پھر کوئی قوت فیصلہ نہیں کرسکتی۔ آج کوئی سنجیدہ شیعہ اعلانیہ تبرّے کو پسند نہیں کرتا بلکہ اس سے اعلان برائت کرتا ہے اور بہت سے شیعہ مفکرین جن کی امت کے مصالح پر نظر ہے سرے سے تبرّا کے خلاف ہیں۔

ہندوستانی مسلمانوں کو موجودہ شہنشاہ ایران سے سبق حاصل کرنا چاہئے جنھوں نے نہ صرف اپنے یہاں تبرا کو ختم کر کے شیعہ سنی کو شیر وشکر کردیا ہے بلکہ وہ تمام عالم اسلامی سے باہمی دوستی کا علم بلند کررہے ہیں۔ وہ مراکش اور جدہ جاکر عالم اسلامی سے رابطہ قائم کررہے ہیں۔ پاکستان وافغانستان کے جھگڑوں کو طے کرانے میں مشغول ہیں۔ اگر ان کی یہی سلامت روی جاری رہی تو شاید ان کی بیدار مغزی اور رواداری کی بناء پر تمام اسلامی ممالک ان کی سربراہی میں آجائیں۔

سنیوں کو یہ بھی سوچنا ہے کہ وہ ہندوؤں کی اکثریت سے ان کی محبت، فراخ دلی، کشادہ نظری اور رواداری کے طلبگار ہورہے ہیں تاکہ وہ ہندوستان میں ایک باعزت زندگی بسر کرسکیں۔ سنیوں کے مقابلہ میں شیعوں کی اقلیت ہے۔ کیا سنیوں کی اکثریت کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ اپنی سیرچشمی، فیاضی، دریا دلی، فراخ حوصلگی اور رواداری سے اپنی شیعی اقلیت کے دلوں کو تسخیر کریں۔ دلوں کی تسخیر، ان کو موہ کر کی جاتی ہے، دلوں کو دکھا کر نہیں کی جاتی۔ صحابۂ کرام کے فضائل ومناقب بیان کرنا تو کسی حیثیت سے بھی قابل اعتراض نہیں ہوسکتا مگر جلوس نکال کر مدح صحابہ کے جو اشعار پڑھے جاتے ہیں، وہ سراسر بدعت ہے۔ وہ کسی لحاظ سے پسندیدہ نہیں اور یہ محض شیعوں کو چڑھانا ہے۔ مدح صحابہ کی اس شکل کو کوئی مذہبی حیثیت بھی نہیں اور نہ یہ قرآن وحدیث کے مطابق ہے بلکہ موجودہ دور کی پیداوار ہے۔ نجی مجلسوں اور گھروں میں مدح صحابہ پڑھی جاتی ہے، وہ بالکل درست ہے لیکن جلسے، جلوس اور باجے کے ساتھ مدح صحابہ کا پڑھنا ضرور قابل اعتراض ہوسکتا ہے۔

ہماری تاریخ میں شیعہ سنی کے جھگڑوں اور

آویزشوں کی بہت بری مثالیں ہیں۔ ہندوستان میں میر جعفر وصادق بھی پیدا ہوئے لیکن یہاں کی تاریخ کے اس روشن پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے بڑی سلطنت یعنی مغل امپائر کی دراصل بنیاد ڈالنے والا بیرم خاں خانخانان تھا جو شیعہ تھا۔ امیر الامراء شریف خاں، منعم خاں خانخانان عبدالرحیم خان خانخانان، مرزا غیاث بیگ طہرانی آصف الدولہ جاہ، ابوالحسن آصف جاہی جملۃ الملک اسد خاں، شائستہ خاں اور میر جملہ وغیرہ جیسے شیعوں کی جانبازی اور شمشیر زنی سے مغلوں کی حکومت کے ساتھ عام مسلمانوں کو غیر معمولی سربلندی بھی حاصل ہوئی۔ جہانگیر کہا کرتا تھا کہ میری فوج کی ریڑھ کی ہڈی سادات بارہہ ہیں جو شیعہ تھے۔ ہندوستان کا سب سے بڑا سیکولر حکمران اکبر بادشاہ گذرا ہے جو ایک شیعہ خاتون کے بطن سے تھا۔ اسی طرح ہندوستان کا سب سے بڑا سنی العقیدہ بادشاہ عالمگیر بھی شیعہ ماں کے بطن سے تھا۔

آج کل جو اسلامی تمدن کہلاتا ہے، وہ دراصل ایرانی تمدن ہے جو ہندوستان میں مغلوں کی شیعی بیگمات خصوصاً نور جہاں بیگم اور شیعی امراء ہی کی وجہ سے رائج ہوا۔

یہ سبق لینے کی چیز ہے کہ وزارت زیادہ تر شیعوں کے ہاتھ میں رہی لیکن قضاوت سنیوں کے ہاتھ میں تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے فیصلے کے سامنے جھکتے رہے اور یہ بھی تاریخ کا ایک سبق ہے کہ سادات بارہہ آخر میں بادشاہ گر ضرور ہوگئے تھے لیکن وہ تخت پر سنی بادشاہ ہی کو بٹھاتے رہے۔

ہماری ادبی تاریخ عرفیؔ، نظیریؔ، صائبؔ، طالبؔ آملی، مشکینی، سوداؔ، میرؔ، غالبؔ، انیسؔ، دبیرؔ، آزادؔ وغیرہ جیسے شیعوں سے ہی بنتی ہے۔

سنیوں کے مشہور درس نظامیہ کے استادوں کا شجرہ فتح اللہ شیرازی پر ختم ہوتا ہے جو شیعہ تھے۔ اس وقت گذشتہ تاریخ کی اس رواداری کو دہرانے کی ضرورت ہے۔

ان تحریروں پر دستخط کنندگان میں ایک صاحب نے خواب دیکھا کہ ایک مختصر مجمع ہے۔ فرش وفروش لگے ہوئے ہیں حضور سرور دوعالم تشریف فرما ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تشریف رکھتے ہیں۔ مجمع سے دو آدمی اٹھے۔ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے حضرت علیؑ کی کچھ شکایت کرنے کی کوشش کی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارے سے حضرت سیدتنا فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا وہاں لائی گئیں۔ وہ ایک سفید چادر میں ملبوس تھیں۔ حضرت سیدہؓ کا ہاتھ حضرت علیؑ کے ہاتھ میں دیا گیا۔ دونوں کا نکاح پڑھا گیا لیکن یکا یک دیکھنے میں آیا کہ لکڑی کا ایک بڑا سا بکس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت پر رکھا ہوا تھا۔ اس میں کسی نے آگ لگا دی۔ اس میں سے چھوٹی چھوٹی پُتلیاں نکل کر ناچنے اور آپس میں لڑنے لگیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت ناگوار ہوا اور وہاں سے آپ اٹھ کر دور جا کر تشریف فرما ہوئے۔

اس خواب کا شاید یہ مقصد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دکھلانا تھا کہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ سے آپ کا کیا تعلق ہے۔ پتلیوں کے جھگڑنے سے مراد شیعہ سنیوں کے باہمی جھگڑے ہیں اور آپ کا وہاں سے اٹھ جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کو مسلمانوں کے جھگڑے سے اسلام کی جو تضحیک

وتذلیل ہورہی ہے، اس سے سخت تکلیف ہورہی ہے اور آپ ناراض ضرور ہیں۔

یہ محض ایک خواب ہے، لیکن مسلمانوں کے لئے ایک پیام بھی ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ شیعہ سنی لکڑی کی پتلیوں کی طرح ناچ کر اور آپس میں جھگڑا کرکے اپنے کو تباہ نہ کریں اور اسلام کی تضحیک وتذلیل نہ کریں ورنہ ؎

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

نوٹ: ہم اخبارات کے تمام ایڈیٹروں سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس اپیل کو اپنے اخبارات میں پوری شائع کریں اور شیعہ سنی اتحاد کے موضوع پر کچھ نہ کچھ برابر لکھتے رہیں۔ اس وقت یہ مسئلہ مسلمانوں اور ملک دونوں کے لئے مذہبی معاشرتی اور سیاسی حیثیت سے ایک اہم مسئلہ بن گیا ہے۔ امید ہے اخبارات کے ایڈیٹر صاحبان اس پر ضرور توجہ دیں گے۔

الملتمسین

۱۔ ڈاکٹر سید محمود، صدر دارالمصنفین اعظم گڑھ
۲۔ عبدالماجد دریا آبادی صدر مجلس عاملہ دارالمصنفین، اعظم گڑھ
۳۔ مفتی عتیق الرحمن، دہلی
۴۔ ابواللیث، امیر جماعت اسلامی، ہند
۵۔ شاہ معین الدین احمد ندوی، ناظم دارالمصنفین واڈیٹر معارف
۶۔ سید صباح الدین عبدالرحمن، شریک ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ
۷۔ محمد یٰسین نوری، بیرسٹر وصدر آل انڈیا خلافت کمیٹی بمبئی
۸۔ محمد اسمٰعیل، صدر آل انڈیا مسلم لیگ مدراس ایم۔ پی۔
۹۔ براہیم سلیمان سیٹھ، ایم۔ پی۔ سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ کیرالا
۱۰۔ ایس۔ اے۔ خواجہ محی الدین، ایم۔ پی۔
۱۱۔ محمد یوسف، ایم۔ پی۔ بہار، چھپرا
۱۲۔ اسحاق سنبھلی، ایم۔ پی۔ مرادآباد
۱۳۔ حاجی ہاشم اسمٰعیل، سابق شریف بمبئی
۱۴۔ عابد شوکت علی، نائب صدر آل انڈیا خلافت کمیٹی
۱۵۔ مصطفی فقیہ، چیرمین، حج کمیٹی، بمبئی
۱۶۔ سید شہاب الدین دسنوی، پرنسپل، صابر پولیٹکنک وسکریٹری انجمن اسلام بمبئی
۱۷۔ معین الدین حارث، مدیر اُجمل، بمبئی، ایم۔ ایل۔ سی۔
۱۸۔ محمد علی مٹھابائی، مہاراشٹر کالج، بمبئی ومسلم کالج پونا
۱۹۔ ذاکر علی خاں، بمبئی
۲۰۔ عبدالصمد جاوید، ادارۂ خلافت بمبئی
۲۱۔ عبدالقدوس منشی، پرنسپل، مہاراشٹر کالج، بمبئی
۲۲۔ مرزا عبدالستار بیگ، ہیڈ ماسٹر، امام باڑہ ہائی اسکول وسکریٹری خلافت کمیٹی بمبئی
۲۳۔ ایم۔ رشید کوثر فاروقی، استاد انگریزی، مہاراشٹر کالج
۲۴۔ سید جعفر حسن، ایم۔ اے۔ (آکسن) پٹنہ
۲۵۔ یعقوب یونس، منیجنگ ڈائرکٹر، گرینڈ ہوٹل، رئیس پٹنہ

۲۶۔ سید محمد عرف مدن صاحب، پٹنہ
۲۷۔ مظہر امام صاحب، سابق ایم۔ پی۔ پٹنہ
۲۸۔ سید عقیل احمد ہاشمی، دوگاواں، لکھنؤ
۲۹۔ محمد حفیظ، تنویر پریس، امین آباد، لکھنؤ
۳۰۔ محسن عثمانی، باغ گونگے نواب، لکھنؤ
۳۱۔ اخلاق احمد درّانی، نظیر آباد، لکھنؤ
۳۲۔ ارشد حسین ندوی، ادارۂ دین ودانش، لکھنؤ
۳۳۔ سرفراز علی خان، ڈاکٹر موتی لال بوس روڈ، لکھنؤ
۳۴۔ عبدالحلیم، ۵۳۸ بھدیواں پائنک پارک، لکھنؤ
۳۵۔ محمد احمد ادیب، بلوچ پورہ، لکھنؤ
۳۶۔ شجاعت مرزا، لکھنؤ
۳۷۔ محمد عبدالحکیم، کارپوریٹر، لکھنؤ
۳۸۔ محمد فراست صدیقی، لکھنؤ
۳۹۔ شاہ محمد فاروق عطا ۲۹، پارک روڈ، لکھنؤ
۴۰۔ عظیم اللہ خان، اسٹنڈرڈ وایا کمپنی، مولوی گنج، لکھنؤ
۴۱۔ چودھری علی مبارک عثمانی، چیرمین، سترکھ ٹاؤن ایریا، بارہ بنکی
۴۲۔ محمد عثمانی، لکچرر سوشیالوجی، لکھنؤ یونیورسٹی
۴۳۔ محمد یوسف حسین خاں (بی۔ ایس۔ سی)، چکمنڈی، لکھنؤ
۴۴۔ محمد عتیق صاحب، بی۔ اے۔
۴۵۔ سالم، سیدن پوری
۴۶۔ نظمی بارہ بنکی
۴۷۔ عتیق اللہ صاحب
۴۸۔ سخاوت علی، پیش امام
۴۹۔ عبدالرحمن، لکچرار، انٹر کالج، بارہ بنکی
۵۰۔ فیاض علی، لکچرار، انٹر کالج، بارہ بنکی
۵۱۔ حکیم شکوہ، بی۔ اے۔، ایل۔ ایل۔ بی۔
۵۲۔ قادر صدیقی، بی۔ اے۔، شعبہ سیلس ٹیکس، گورنمنٹ
۵۳۔ شفیق الحسن، مولوی گنج، لکھنؤ
۵۴۔ محمد اختر، لکچرار، پولٹیکنک، علی گڑھ
۵۵۔ محمد سعید الرحمن صدیقی اسوسیٹ لکچرار، یونیورسٹی پالیٹیکنک، علی گڑھ
۵۶۔ محمد مسلم صدیقی، لکچرار، یونیورسٹی، علی گڑھ
۵۷۔ قاضی نصیر حسن، لکچرار، یونیورسٹی، علی گڑھ
۵۸۔ عظمت علی خان، ایسوسیٹ لکچرار، یونیورسٹی، علی گڑھ
۵۹۔ سید احمد الہاشمی، ریڈر یونیورسٹی، علی گڑھ
۶۰۔ شمیم احمد، ریڈر، سول انجینئرنگ کالج، علی گڑھ
۶۱۔ قیصر علی، لکچرار، سول انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ، ذاکر حسین کالج آف انجینئرنگ، علی گڑھ
۶۲۔ عبدالقیوم، سول انجینئرنگ یونیورسٹی پالیٹکنک علی گڑھ
۶۳۔ اسحق سلطان، لکچرار، انجینئرنگ کالج، یونیورسٹی پالیٹکنک، علی گڑھ
۶۴۔ محمد احمد، لکچرار، میڈیسن ڈیپارٹمنٹ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
۶۵۔ فخر الدین احمد، ریڈر، جیالوجی ڈیپارٹمنٹ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
۶۶۔ رضی احمد، لکچرار سرجری ڈیپارٹمنٹ، میڈیکل

کالج، علی گڑھ

۶۷۔　ڈاکٹر نسیم حسن خاں، لکچرر، ڈیپارٹمنٹ آف کمیسٹری، علی گڑھ

۶۸۔　سید فضل محمد، ریڈر، شعبہ فزکس، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۶۹۔　ڈاکٹر محمد سعید صدیقی، لکچرر، شعبۂ مڈیسن، علی گڑھ

۷۰۔　قمر محمد خاں، لکچرار، شعبہ میکانکی، علی گڑھ

۷۱۔　محمد وسیم عباسی، لکچرار، شعبہ میکانکی، علی گڑھ

۷۲۔　محمد زبیر انصاری، لکچرار، شعبہ میکانکی، علی گڑھ

۷۳۔　اقبال احمد، اسوسیٹ لکچرر، میکنکل انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ، علی گڑھ

۷۴۔　غلام عبدالقادر، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۷۵۔　سید صبیح الدین، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۷۶۔　ضیاء الدین احمد، لکچرار، علی گڑھ

۷۷۔　محمد حسین، ریڈر شعبہ ریاضیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۷۸۔　اسلم قدیر، ریڈر، سول انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۷۹۔　شائستہ محسن، ریڈر، میڈیکل کالج، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۸۰۔　میمونہ جعفری، لکچرار، جنرل ایجوکیشن سنٹر، علی گڑھ

۸۱۔　غزالہ انصاری، ریڈر، جنرل ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۸۲۔　جنید انصاری، شعبہ عمرانیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۸۳۔　جمال خواجہ، سمیع منزل، پروفیسر، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۸۴۔　ڈاکٹر حبیب الرحمن، پروفیسر، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۸۵۔　ڈاکٹر آر۔ خواجہ، سرجن، میڈیکل کالج، علی گڑھ

۸۶۔　حکیم سید حسین دہلوی

۸۷۔　میر مشتاق احمد صاحب

۸۸۔　عبدالحق پراچہ

۸۹۔　فقیہ الدین صاحب

۹۰۔　زین العابدین، پرنسپل، فتحپوری مسلم ہائر سکنڈری اسکول، دہلی

۹۱۔　انوار الدین، دہلی

۹۲۔　منظور احمد قاسمی، فاضل (دیوبند)، ایم۔اے۔، دہلی

۹۳۔　مرزا اقبال بیگ، ایم۔بی۔بی۔ایس۔، دہلی

۹۴۔　احسان اللہ، بی۔اے۔، دہلی

۹۵۔　رضوان احمد صدیقی، دہلی

۹۶۔　ایل۔اے۔خان، دہلی

۹۷۔　جی۔اے۔خان، دہلی

۹۸۔　اکبر علی خان، حیدرآباد

۹۹۔　نثار احمد خان، ایڈوکیٹ، پٹنہ

۱۰۰۔　سید محمد زیدی، ایڈوکیٹ، پٹنہ

۱۰۱۔　معین الدین، ایڈوکیٹ، پٹنہ

۱۰۲۔　سید شوکت امام، ایڈوکیٹ، پٹنہ

۱۰۳۔　سید احمد امام، ایڈوکیٹ، پٹنہ

۱۰۴۔　صداقت حسین، ایڈوکیٹ، پٹنہ

۱۰۵۔ علی احمد قاسمی، رانچی
۱۰۶۔ سید جعفر امام، سابق وزیر قانون، آسام
۱۰۷۔ اصغر حسین، ایڈوکیٹ، پٹنہ
۱۰۸۔ محمد یعقوب یونس، پٹنہ
۱۰۹۔ سید تقی الدین، ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ، پٹنہ
۱۱۰۔ جمیل احمد، باغ کالو خان، ممبر بہار کانگریس کمیٹی
۱۱۱۔ سید بدر الدین احمد، پٹنہ
۱۱۲۔ میر جعفر حسین، ایڈوکیٹ، پٹنہ
۱۱۳۔ سید اکبر حسین، ایڈوکیٹ، پٹنہ
۱۱۴۔ احمد سعید قادری، گیا، سابق ایم۔ ایل۔ اے۔
۱۱۵۔ سید مظہر امام، سابق ایم۔ ایل۔ اے۔
۱۱۶۔ اللہ رکھا قریشی، نائب صدر، خواجہ درگاہ کمیٹی، سورت، گجرات
۱۱۷۔ عزیز سیٹھ، ایم۔ ایل۔ اے۔ میسور
۱۱۸۔ مولانا احمد علی، رانچی
۱۱۹۔ سید شاہ عزیز احمد، سجادہ نشیں، خانقاہ حلیمیہ، چک نیا حجرہ، الہ آباد
۱۲۰۔ شوکت علی فہمی، ایڈیٹر دین و دنیا، دہلی
۱۲۱۔ محمد مستحسن فاروقی، سجادہ نشین، ایڈیٹر پیام مشرق، دہلی
۱۲۲۔ محمد مسلم، ایڈیٹر، روزنامہ دعوت، دہلی
۱۲۳۔ محمد شمس الہدیٰ تھانوی، ایڈیٹر، ہما، پٹنہ
۱۲۴۔ (ڈاکٹر) عبدالحفیظ انصاری، اعظم گڑھ
۱۲۵۔ (حکیم) محمد اسحاق، اعظم گڑھ
۱۲۶۔ (ڈاکٹر) محمد معظم
۱۲۷۔ ایم۔ ایم۔ زبیری، صدر شعبہ سیاسیات، شبلی نیشنل کالج، اعظم گڑھ
۱۲۸۔ مرزا احسان احمد، وکیل، اعظم گڑھ
۱۲۹۔ مرزا امتیاز احمد بیگ، وکیل، اعظم گڑھ
۱۳۰۔ سکریٹری نیشنل شبلی کالج، اعظم گڑھ
۱۳۱۔ مرزا شوکت سلطان، پرنسپل، شبلی نیشنل کالج، اعظم گڑھ
۱۳۲۔ امین الدین، ایم۔ اے۔، ایل۔ ایل۔ بی۔، سابق صدر شعبۂ قانون، شبلی نیشنل کالج، اعظم گڑھ
۱۳۳۔ معین الدین، ڈپٹی رجسٹرار، کواپریٹو سوسائٹیز (پنشنر)، اعظم گڑھ
۱۳۴۔ نیاز احمد بیگ، وکیل، اعظم گڑھ
۱۳۵۔ صلاح الدین، وکیل، اعظم گڑھ
۱۳۶۔ نیاز احمد، ایم۔ ایڈ، شبلی نیشنل کالج، اعظم گڑھ
۱۳۷۔ حکیم الدین، پرنسپل، ہائر سکنڈری اسکول، اعظم گڑھ
۱۳۸۔ نیاز احمد ندوی، استاد، سکنڈری اسکول، اعظم گڑھ
۱۳۹۔ ضیاء الدین احمد ندوی، رفیق، دارالمصنفین، اعظم گڑھ
۱۴۰۔ حافظ محمد نعیم ندوی، دارالمصنفین، اعظم گڑھ
۱۴۱۔ ضیاء الحق، ناظر، کتب خانہ، دارالمصنفین، اعظم گڑھ

باب ۲

اضافہ، وضاحت اور نقد و تبصرہ

از علی نقی النقوی

یہ اپیل جس مقصد کے لئے اور جس نیت سے لکھی گئی ہے، وہ بلاشبہ ''خیر'' ہے اور جو ''اسپرٹ'' اس میں کارفرما

ہے، وہ بلاشک اصلاحی وتعمیری ہے مگر اس کے کچھ اجزا میں اضافہ اور وضاحت کی ضرورت معلوم ہوتی ہے اور بعض باتیں جن سے ایسی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے جو اپیل کے اصل مقصد کے خلاف ہے ان پر نقد وتبصرہ ضروری ہے۔

(۱)

وجوہ اتحاد

اپیل میں شروع ہی میں بہت مناسب طور پر اس رخ کو نمایاں کیا گیا ہے کہ ''اس سے انکار نہیں کہ شیعوں اور سنیوں کے عقائد میں بعض بنیادی اختلافات ہیں اس کے باوجود اختلاف کے مقابلہ میں وحدت کے پہلو زیادہ ہیں۔ دونوں توحید ورسالت کے قائل ہیں، دونوں کا رسول ایک، قبلہ ایک، عبادت میں روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ یا خمس دونوں کے یہاں ارکان دین میں ہیں۔ معاملات کے بہت سے مسائل یکساں ہیں۔ دونوں کی تہذیب بھی ایک ہے۔''

اس ضروری رخ میں کچھ بھی کمی مقصد کے لئے مضر ہے۔ دونوں توحید ورسالت کے قائل ہیں۔ بے شک ایسا ہی ہے، مگر توحید ورسالت ہی نہیں، یوں کہنا چاہئے کہ سنی نقطۂ نظر سے جو تین اصول دین ہیں: (۱) توحید (۲) رسالت (۳) قیامت۔ ان سب ہی کے شیعہ بھی قائل ہیں لہٰذا یہ تینوں بنیادی اصول شیعہ اور سنی میں مشترک ہیں۔

پھر ''دونوں کا رسول ایک، قبلہ ایک'' اس کے ساتھ اضافہ ہونا چاہئے ''کتاب ایک''۔۔۔۔۔۔ یہ کمی اگر غفلت سے بھی ہے تو خطرناک ہے۔ اس لئے کہ اتحاد اسلامی کے دشمن یہ کہتے رہے ہیں کہ ''شیعوں کا ایمان قرآن پر نہیں ہے۔'' جس کے جواب میں ''جواب ترکی بہ ترکی'' پر عمل کرنے والے شیعہ یہ کہتے رہے ہیں کہ: ''روایات تحریف کتب اہل سنت میں موجود ہونے کی بناء پر سنیوں کا بھی ایمان قرآن پر نہیں ہے'' یہ دونوں ہی رخ وحدت اسلامی کے لئے تباہ کن ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس طرح کی کچھ حدیثیں سنی اور شیعہ دونوں ہی کی کتابوں میں موجود ہیں مگر من حیثیت الجماعت نہ سنی ان کو مانتے ہیں نہ شیعہ ہی صحیح تسلیم کرتے ہیں، لہٰذا اسباب وحدت میں کتاب کا درج ہونا نہایت اہم حیثیت رکھتا ہے۔

ایک فروگذاشت جو ناواقفیت کا نتیجہ ہو سکتی ہے، یہ ہے کہ وجوہ وحدت میں لکھا ہے: ''زکوٰۃ یا خمس دونوں کے یہاں ارکان اسلام میں ہیں۔''

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ زکوٰۃ دونوں کے یہاں ارکان اسلام میں سے ہے، خمس اس کا بدل نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ شیعہ خمس کو بھی لازم سمجھتے ہیں۔ اہل سنت کی فقہ میں خمس کو جگہ نہیں دی گئی لہٰذا زکوٰۃ وحدت کے پہلوؤں میں داخل ہے اور اس کے ساتھ جہاد بھی۔

یوں تو تفصیلات فقہی طور پر خود ایک فرقہ کے علماء میں اکثر متفق علیہ نہیں ہیں لیکن اصل ارکان مرکز اتفاق ہیں۔ چنانچہ شیعہ بچوں کو اصول دین کے بعد یاد کرایا جاتا ہے کہ فروع دین چھ ہیں:

اول نماز دوسرے روزہ تیسرے حج چوتھے زکوٰۃ پانچویں خمس ششم جہاد۔

ان میں سے خمس اب شیعوں سے مخصوص ہے مگر پانچ تو بلا تکلف وحدت کے پہلوؤں میں نمایاں طور پر ہیں۔

(۲)

اہلسنت کی اہلبیت رسولؐ سے محبت وعقیدت

''شیعوں کے علاوہ دوسرے فرق اسلامیہ کو'' اہلبیت رسولؐ سے جو محبت ہے، اس کے ثبوت میں صرف امام شافعی کے بعض اشعار درج کئے گئے ہیں، حالانکہ اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھنے کی گنجائش تھی اور جتنا بھی لکھا جاتا اپیل کے مقصد کے لحاظ سے مناسب ہی ہوتا۔

جوامع احادیث اہلسنت میں کثیر التعداد احادیث میں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت، ذریت، ذوالقربیٰ، آل اور اہلبیت غرض الفاظ بدل بدل کر ایک ہی مفہوم کے متعلق محبت ولاء ومودّت کی فضیلت ہی نہیں بلکہ فرضیت کا بیان ہے۔ ان کے صرف حوالے ہی درج کئے جائیں تو کئی صفحے ہوجائیں۔ پھر ان ائمہ اہلبیتؑ کے فضائل ومناقب ہیں جنھیں شیعہ بارہ امام کے نام سے جانتے ہیں بڑے علمائے اہلسنت نے جو کتابیں لکھی بہت ہیں ان کی فہرست کافی طویل ہے جن میں سے اکثر کے نام ہی ان کے بارے میں مصنف کی دینی عقیدت کا پتہ دیتے ہیں جیسے:

۱۔ وسیلۃ النجاۃ از مولانا محمد مبین فرنگی محلی

۲۔ ذخیرۃ المآل از شیخ عبدالقادر عجیلی شافعی

۳۔ ذخائر العقبیٰ از حافظ محب الدین طبری

۴۔ المودۃ فی القربیٰ از سید علی ہمدانی

۵۔ ینابیع المودۃ از شیخ سلیمان بلخی قندوزی وغیرہ وغیرہ

صحاح ستہ کے مصنفین میں حافظ نسائی نے اس راہ میں جو قربانی پیش کی وہ بھی یاد رکھنے اور یاد دلانے کے قابل ہے۔

جناب صفیؔ کی نظم

اس اپیل میں جناب صفیؔ کا صرف ایک شعر پیش کیا گیا ہے، حالانکہ ان کی اس سلسلہ میں کافی طویل معرکہ آرا نظم ہے جسے شیعہ سنی اتحاد کی ایک بڑی جامع اپیل سمجھنا چاہئے۔

اس کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۳۲۸ھ میں جب کہ اس کے پہلے کئی سال زمانہ محرم میں شیعہ اور سنی خونریز تصادم ہوچکے تھے، کچھ بااثر حضرات نے جن میں ہوا کے رخ کے خلاف جانے کی ہمت تھی ایک انجمن اتحاد قائم کی جس کا پہلا جلسہ ۲/مارچ ۱۹۱۰ء کو محمد نسیم صاحب وکیل (اہلسنت) کی کوٹھی پر ہوا اور طرفین کے مخصوص حضرات مساوی تعداد میں شریک ہوئے منجملہ دیگر حضرات کے جناب مولوی عبدالحمید صاحب فرنگی محلی بھی شریک ہوئے تھے اور جلسہ میں بحیثیت صدر آپ کی تقریر بھی ہوئی جس کا یہ خوشگوار اثر ہوا جو اس دور کے شائع شدہ ایک ماہنامہ 'تبصرہ' لکھنؤ ج ۱ نمبر ۵ و ۶ بابت محرم، صفر ۱۳۲۸ھ ص ۱۰ پر درج ہے کہ اہل تشیع کے میلاد شریف اور صحبت فضائل میں اہلسنت بھی شریک ہونے لگے۔ سب سے پہلے ۱۲/ربیع الاول کو محفل ''بزم فیروزی'' میں جس کا دوسرا نام ''رنگ نوردی'' ہے، اہلسنت شریک

ہوئے اور مولانا سبط حسن صاحب نے فضائل محمد وآل محمد صلوات اللہ علیہم بیان فرمائے۔ اس کے بعد امام باڑہ نواب اکرام اللہ خاں مرحوم میں ۱۸؍ ربیع الاول کو جناب مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ نے فضائل و مناقب جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرمائے۔ اس میں بھی اکثر معززین اہلسنت والجماعت شریک ہوئے۔

ص ۲-۲۱، انجمن مذکور کے جلسہ کے بعد جناب سمیع اللہ بیگ صاحب وکیل (اہلسنت) کی طرف سے مطبوعہ ۸؍ اپریل ۱۹۱۰ء ایک اعلان ''شیعہ سنی اتحاد'' کی سرخی سے شائع ہوا۔ ص ۲۲، بعد اس کے ۱۰؍ اپریل کو اسی سرخی سے ایک اعلان شائع ہوا کہ ۱۷؍ اپریل کو صبح ۸ بجے امام باڑہ آصف الدولہ بہادر مرحوم میں محفل میلاد مبارک ہوگی جس میں ایک مشہور ومعروف عالم اہلسنت بیان کریں گے اور اس کے دوسرے روز یعنی ۱۸؍ اپریل کو مجلس عزائے مظلوم کربلا اسی وقت ہوگی جس میں ایک مشہور ومعروف عالم اہل تشیع بیان مصائب کریں گے میلاد جناب سید شہنشاہ حسین صاحب وکیل کی طرف سے اور مجلس مسٹر محمد نسیم صاحب وکیل اہلسنت کی طرف سے ہوگی۔

دونوں حضرات کی طرف سے ایک ہی اعلان پر اطلاع ہونا گویا اتحاد کا پہلا نمونہ تھا۔ بہرصورت ۱۷؍ اپریل آئی ص ۲۳، ہر شخص امام باڑہ آصف الدولہ بہادر مغفور میں دوسرے سے پہلے پہنچنے کا ارادہ کرتا تھا۔ مولود شریف ہوا۔ مجمع قریب آٹھ دس ہزار آدمیوں کے تھا۔ شیعوں کا کوئی طبقہ اور کوئی صنف ایسی نہ تھی جس کے لوگ نہ شریک ہوں یعنی حضرت علمائے کرام و دیگر مومنین، وکیل اور بیرسٹر، حکیم، ڈاکٹر اور متوسط حیثیت کے لوگ شریک ہیں۔ اہلسنت میں وکلاء اور بیرسٹر صاحبان و دیگر تعلیم یافتہ حضرات صلح پسند۔ بے شک بیان کے لئے علمائے اہلسنت میں سے کوئی صاحب تشریف نہیں لائے مجبوراً بعد انتظار بسیار جناب سمیع اللہ بیگ صاحب وکیل نے نہایت ہی درد انگیز اور بااثر الفاظ میں تمام حالات بیان فرمائے۔

ص ۲۴-۲۳ ان کے بعد اسی وقت جناب مولانا محمد حسین صاحب قبلہ (محقق ہندی، ساکن رکاب گنج، لکھنؤ) کی خدمت میں جو وہیں تشریف رکھتے تھے، عرض کیا گیا کہ آپ کچھ بیان فرمائیے۔ حالانکہ جناب ممدوح اس کے لئے تیار نہ تھے لیکن آپ نے انکار کرنا خلاف اختلاف سمجھ کر قبول فرمایا۔ آپ کا بیان اس قدر بااثر اور نتیجہ خیز تھا۔ سبحان اللہ ایسے ایسے نکات اور اشارات بیان فرمائے۔

یہی موقع تھا جب مولانا صفی مرحوم نے ''اتحاد'' کے موضوع پر وہ معرکہ آرا اور جامع نظم پیش کی جو عنقریب درج کی جائے گی۔ جس سے پتہ چلے گا کہ زیر نظر پوری اپیل اس ''دعوت اتحاد'' کے اندر سمائی ہوئی ہے جو مولانا صفی نے نظم کے قیود کے ساتھ پیش کی ہے۔

رسالہ تبصرہ ''محولہ سابق میں ہے کہ دوسرے دن مجلس تھی محمد نسیم صاحب وکیل اہلسنت کی طرف سے۔ اس میں بھی مجمع اگر کل سے زیادہ نہ تھا تو کم بھی نہ تھا۔ آج پہلے جناب صفی نے ایک نظم بعنوان ''صفت صبر'' پڑھی۔ اس کے بعد جناب مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ نے مجلس پڑھی۔

نظم اتحاد

یا

بلاتفریق مسلمانوں سے دردمندانہ اپیل

وہ مَوّاج قلزم، وہ دریائے اعظم　　کہ دونوں کنارے ہیں جس کے دو عالم
زباں زد ہیں جس کے فتوحات پیہم　　ہے اسلام ہی بس کریں غور اگر ہم
تشیّع تسنّن ہیں لہریں اسی کی
سمجھئے انھیں آپ نہریں اسی کی

انھی دونوں چشموں سے نکلے ہیں اکثر　　وہ شعبے جو ہیں سب ملا کر تہتّر
ہے ان دونوں صیغوں کا اسلام مصدر　　ہیں در اصل یہ دونوں شاخیں برابر
کوئی تیغ ان میں ہے کوئی قلم ہے
نشاں ہے کوئی اور کوئی علم ہے

خدا ایک ہے، جانتے ہیں یہ دونوں　　رسول اپنا پہچانتے ہیں یہ دونوں
جو کچھ کعبہ ہے، مانتے ہیں یہ دونوں　　اُسے قبلہ گردانتے ہیں یہ دونوں
عمل دونوں کا ہے کلام خدا پر
فدا دونوں ہیں عزت مصطفیٰؐ پر

اصولوں میں جب متحد ہیں یقینی　　عبث پھر فروعات پر نکتہ چینی
رہیں مل کے باہم سب اخوان دینی　　مضیٰ ما مضیٰ چاہئے پیش بینی
چلیں گے یہ فرسودہ راہیں کہاں تک
پس پشت آخر نگاہیں کہاں تک

انھی دونوں پیروں سے اسلام چل کر　　ترقی کی دنیا کرے گا مسخّر
اگر پاؤں الجھے لگے گی وہ ٹھوکر　　کہ یہ سر کے بھل آ رہے گا زمیں پر
پھر اس طرح مجبور وناچار ہوگا
کہ اٹھنا اٹھانے سے دشوار ہوگا

درانداز یاں ہم میں ہیں جن کا پیشہ   لگاتے ہیں وہ پاؤں پر اپنے تیشہ
یوں ہی رخنے پڑتے رہے گر ہمیشہ   تو کمزور ہو جائے گا ریشہ ریشہ
ہرا نخل اسلام کیوں کر رہے گا
کہو! اک زمانہ ہمیں کیا کہے گا

محبت کا لائیں ثمر دونوں شاخیں   ملیں جھک کے باہم اگر دونوں شاخیں
دکھائیں عروج شجر دونوں شاخیں   پھلیں پھولیں المختصر دونوں شاخیں
شریفانہ اخلاق کے پھول مہکیں
عنادل سرشاخ مستانہ چہکیں

وہ جام محبت پلا آج ساقی   کہ پیدا ہو کیف سلیم المذاقی
دلوں میں اثر کیوں رہے اس کا باقی   کہ تھی اتفاقی یہ نا اتفاقی
فریقین مل کر کریں عذر خواہی
بھرے جسم اسلام کا زخم الٰہی

یہ زخم اور اسلام، اسلام والو   سنبھالو اب اس ناتواں کو سنبھالو
جو کچھ ہو چکا اس پہ تم خاک ڈالو   بدن سے لہو کیوں زیادہ نکالو
رہو مل کے باہم، ہنسو اور بولو
زبانوں کے نشتر سے فصدیں نہ کھولو

کہاں ہیں دلوں کے ہلا دینے والے   فصاحت کے دریا بہا دینے والے
محبت پہ لکچر سنا دینے والے   رُلا دینے والے، ہنسا دینے والے
اٹھیں اٹھ کے از راہ اخلاص مندی
دلوں کی کریں آج شیرازہ بندی

مضر ہے مضر ہے ہوائے تخالف   یہ شہر اور اس میں وبائے تخالف
تمدن پہ آفت نہ لائے تخالف   مٹا دو، مٹا دو بنائے تخالف
یہ کیا کر رہے ہو؟ یہ کیا ہو رہا ہے؟
جہالت کی آخر کوئی انتہا ہے؟

وہ اخلاق کا ایک سرسبز پودا لگایا ہوا خاتم الانبیا کا
پھپک کر جو روئے زمیں پر ہے چھایا جسے دین اسلام کہتی ہے دنیا
تم اس نخل کی حیف جڑ کاٹتے ہو
تعلق ہے جس سے وہ لڑ کاٹتے ہو

تعصب کو چھوڑو، محبت جتاؤ کچھ اسلام کی اپنے عظمت بڑھاؤ
کمی حسن اخلاق کی جن میں پاؤ ان افراد کو تم مہذب بناؤ
جو آلودۂ زنگ پرزے رہے سب
چلے گی یہ قومی مشین آپ سے کب

یہ ہمدرد اسلامیوں کو خبر دو کہ میدان ہمت کے اے رہ نوردو
تعصب سے اس قوم کو پاک کردو محبت کی اسٹیم[1] انجن[2] میں بھر دو
یہی پرزے پھر کام دینے لگیں گے
فرائض کو انجام دینے لگیں گے

فریقین شیر وشکر جس طرح تھے ابھی کچھ دنوں پیشتر جس طرح تھے
ہم آہنگ باہم دگر جس طرح تھے شب و روز کرتے بسر جس طرح تھے
اسی طرح اب بھی رہیں مل کے باہم
وہ ماہ صفر ہو کہ ماہ محرم

رہیں سوچتے کیوں حریفانہ گھاتیں کریں نت نئی کیوں دل آزار باتیں
کٹیں کیوں مصیبت میں دن اور راتیں پولس لائے کیوں خیمے، ڈیرے، قناتیں
ہنسے گا بتاؤ، یہ کس پر زمانہ
اگر مذہبی کام ہوں وحشیانہ

کچھ اسلام کی شان وشوکت بڑھاؤ مجالس کو بے خار گلشن بناؤ
فریقین کو صحبتوں میں بلاؤ طریقے تمدن کے سب کو سکھاؤ
نہ شیعہ ہوں سنی، نہ سنی ہوں شیعہ
ترقی کا اسلام کی ہوں ذریعہ

Engine(۲) Steam(۱)

(۳)

تعلیم وتعلّم کا اتحادی پہلو

ہندوستان کی تاریخ، نیز ''علم وتہذیب'' کے تذکرہ میں شیعوں کے نمایاں کردار کے تذکرہ کے بعد اس اپیل میں لکھا ہے کہ ''سنیوں کے مشہور درس نظامی کے استادوں کا شجرہ فتح اللہ شیرازی پر ختم ہوتا ہے جو شیعہ تھا۔

اس ذیل میں اس پہلو کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ صرف ونحو اور منطق وفلسفۂ وادب کے درمیان کی چھوٹی چھوٹی بڑی کتابوں میں سنی اور شیعہ دونوں کی کتابیں فریقین کے درس میں داخل رہی ہیں چنانچہ جیسے سنی علماء کی کتابیں صرف میر، نحو میر، صغرٰے، کبرٰے، میزان منطق، تہذیب، کافیہ، شافیہ شرح جامی، حمد اللہ مسلم، ملا حسن، قاضی، ہدیہ سعیدیہ اور شمس بازغہ داخل نصاب رہی ہیں جنھیں شیعہ طالب علم بھی پڑھ کر عالم بنتے رہے ہیں، اسی طرح شیعہ علماء کی کتابیں، فوائد صمدیہ، شرح تہذیب، قطبی، شرح معطائع صدرا، افق المبین، خلاصۃ الحساب، مقامات حریری مقامات بدیعی، دیوان حماسہ اور رسائل ابوبکر خوارزمی وغیرہ سنی طلبہ اور اہل علم پڑھتے رہے ہیں اور نہج البلاغہ شیعہ وسنی دونوں کے یہاں کے ادب کے طالب علم پڑھتے رہے ہیں جس کا تعارف مصر میں سنی عالم شیخ محمد عبدہ نے کرایا اور اپنے گرانقدر مقدمہ اور حاشیہ کے ساتھ اسے طبع کرایا۔ پھر مصر کے متعدد اساتذہ نے اس پر تشریحی نوٹ لکھے اور متعدد ایڈیشن تذئیلات (Appendica) وحواشی کے ساتھ شائع ہوئے۔

اس کے علاوہ فریقین کے طالب علم فریقین کے علماء سے استفادۂ علمی کرتے رہے چنانچہ شیعہ اکابر علماء میں شیخ مفید اور سید رضی اور ابن شہر آشوب کے مشائخ واساتذہ میں علمائے اہلسنت بھی ہیں اور ہندوستان میں دوصدی پہلے خان ملا تفضّل حسین خاں نے بھی جو معقولات میں یدطولی حاصل کیا وہ علمائے اہلسنت سے پڑھ کر اور جناب غفران مآب مولانا سید دلدار علی طاب ثراہ نے بھی فقہ واصول کی تکمیل سے پہلے والے درسیات کی تعلیم افاضل اہلسنت ہی سے حاصل کی اور متعدد علمائے اہلسنت کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ انھیں شیعہ علماء سے تلمذ تھا جیسے مولانا محمد عین القضاۃ اور عبدالحلیم شررؔ صاحب جناب مفتی میر عباس صاحب کے شاگرد تھے اور پھلواری شریف کے شاہ محمد سلیمان کو جناب ملاذ العلماء مولانا سید ابوالحسن عرف بچھن صاحب قبلہ سے تلمذ تھا اور یہ سلسلہ موجودہ دور تک بحمد اللہ قائم رہا ہے۔

انتقادات

اپیل کے اصل مقصد سے اتفاق اور اس کے تعمیری مضامین کی مزید تقویت وتائید اور اضافوں کے بعد اب ان باتوں پر نقد وتبصرہ کیا جانا ضروری ہے جو اپیل کے اصل مقصد کے خلاف ہیں جن کے متعلق شبہہ ہوتا ہے کہ وہ کچھ ایسے اشخاص کی کارستانی یا اصرار سے درج ہوگئی ہیں جنھوں نے اس اپیل پر دستخط تو کردیئے مگر وہ اس کے اصل مقصد کے ساتھ خلوص نہ رکھتے تھے۔

ص ۴ پر ایک بڑی اہم اصولی غلطی یہ ہے کہ جب اس پمفلٹ کا عنوان ہے ''سنی مسلمانوں سے ایک دردمندانہ اپیل'' جو سنی علماء وزعماء کی طرف سے ہے تو اس میں شیعوں سے کچھ کہنے کا محل نہ تھا۔ شیعوں سے اس کے بعد شیعہ علماء اور زعماء کی طرف سے اپیل ہوتی تو اس میں جوان سے کہنا تھا، وہ کہتے لیکن اس میں سنیوں کو سمجھاتے سمجھاتے ایک دفعہ رخ مڑ گیا ہے شیعوں کی طرف کہ

''شیعی بھائیوں سے یہ التماس ہے کہ وہ خلفائے ثلاثہ کی مذہبی حیثیت تسلیم نہیں کرتے تو دنیا کی تاریخ میں ان کی جو حیثیت ہے تو اس سے وہ انکار تو نہ کریں۔''

سنیوں کی زبان سے اس التماس کا یہ نتیجہ ہوسکتا ہے کہ شیعہ علماء وزعماء جو شیعوں سے اپیل کریں، اس میں وہ بالکل اس کو دُہرا دیں اس طرح کہ

''سنی بھائیوں سے یہ التماس ہے کہ وہ خلفائے ثلاثہ کو مذہبی حیثیت سے جو سمجھیں مگر خود ان کی تاریخ میں ان کے جو افعال و واقعات ہیں، ان سے وہ انکار تو نہ کریں۔''

کیا طرفین میں اس التماس کے تبادلہ سے وہ صلح کا مقصد پورا ہوسکتا ہے جو اس اپیل سے پیش نظر ہے؟

پھر اس تاریخی حیثیت کو کہ وہ حکمران تھے، کون شیعہ نہیں مانتا یا ان کے دور کے یہ واقعات کہ ایران فتح ہوا اور ملک روم پر قبضہ ہوا، کون شیعہ تسلیم نہیں کرتا؟

آگے کہا گیا ہے کہ ''شیعہ ان کی تاریخی عظمت کا اعتراف کرلیں۔''

.... یہ بہت قابل بحث شے ہے کہ ''تاریخی عظمت'' کون سی شے ہوتی ہے؟ اگر حکمران ہونا یا ملک کا فاتح ہونا مراد ہے تو غالباً اسے معیار عظمت ماننا مشکل ہوگا۔ ایک شیعہ کہہ سکتا ہے کہ کیا برادران اہلسنت ہلاکو کی ''تاریخی عظمت'' کے قائل ہوں گے جس کے جاہ وجلال کے ہاتھوں سیکڑوں برس کی قائم شدہ سلطنت عباسیہ کے پرخچے اڑ گئے اور پھر جس کی اولاد کئی نسلوں تک پورے ایران وعراق پر قابض رہی۔

اگر لفظ ''عظمت'' کا صرف اس محل پر اہلسنت کو ناگوار ہوسکتا ہے تو بالکل یقین کرنا چاہئے کہ اس اپیل میں جو شیعوں سے خلفائے ثلٰثہ کی ''تاریخی عظمت'' تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، یہ بھی شیعوں کے لئے کوئی خوشگوار پیغام نہیں ہے۔

کہا جارہا ہے کہ ''آخرت میں کسی شیعہ سے یہ پرسش نہ ہوگی کہ اس نے تبرّا کیوں نہیں کیا''...... یاد رکھنا چاہئے کہ عرف عام میں ہندوستان کے اندر جسے ''تبرّا کہنا'' کہا جاتا ہے، اس کے متعلق بے شک پرسش نہ ہوگی مگر ''تبرّا کرنا'' اس کے معنی ہیں دل سے ان غلط حکومتوں کو باطل سمجھنا ان سے برائت یعنی بے تعلقی رکھنا انھیں برحق نہ ماننا یہ باتیں شیعی نقطہ نظر سے اصول دین میں داخل ہیں لہٰذا ہر شیعہ سے اس کی پرسش ضرور ہوگی۔

اس صفحہ پر واقعاتی غلطی یہ ہے کہ شیعہ سنی جھگڑے کا حال سن کر لکھا ہے کہ ''کاظمین کے پیشوا اور اعلم نے دردوالم کا اظہار کیا'' حالانکہ جو خط ریڈینس اور تمام اخباروں میں شائع ہوچکا ہے، وہ قم (ایران) کے عالم کا تھا

اور پھر یہ کہ ''انھوں نے لکھا کہ ہندوستان کے تین سنی اور تین شیعہ عالم ان کے پاس آ جائیں''...... حالانکہ اس خط میں کوئی مقدار نہ تھی بلکہ لکھا تھا کہ دونوں طرف کے علماء کسی جگہ جمع ہوں اور اگر وہ یہاں ہمارے یہاں آنا چاہیں تو ہم ان کا خیر مقدم کریں گے۔

اس خط کو شائع ہوئے ابھی تقریباً ایک سال ہی ہوا ہے اتنے قریبی واقعہ کو اتنے علماء وزعماء کے ایسے ذمہ دارانہ منشور میں اتنے غیر ذمہ دارانہ انداز میں درج نہیں ہونا چاہئے تھا۔

اس صفحہ کے آخر میں ہے:

''آج کوئی سنجیدہ شخص اعلانیہ تبرے کو پسند نہیں کرتا بلکہ اس سے اعلان برائت کرتا ہے اور بہت سے شیعہ مفکرین جن کی وقت کے مصالح پر نظر ہے، سرے سے تبرّے کے خلاف ہیں۔''

اب ''اعلانیہ تبرّے'' کو ''ناپسند'' کرنے کے بعد سرے سے تبرّے کے خلاف ہونے کا کیا مطلب ہے؟ یعنی یہ شیعہ بجائے خود بھی ان خلفاء سے برائت یعنی بے تعلقی نہیں رکھتے اور مابین خود وخدا ان کی خلافت کو غلط نہیں سمجھتے؟ اگر یہ مطلب ہے تو واضح حقیقت یہ ہے کہ یہ ''مفکرین'' چاہے شیعہ ماں باپ کے یہاں پیدا ہوئے ہوں، خود شیعہ نہیں ہیں، اس لئے کہ شیعیت کے معنی ہی ان خلافتوں کو غلط سمجھنا ہے۔

جو واقعی شیعہ مفکرین ہیں، وہ مفاد اسلامی کی خاطر کسی ایسی بات کو پسند نہیں کرتے جو مسلمانوں کے درمیان فتنہ وفساد کا باعث ہو۔ بس اس کے سوا تبرے کے خلاف ہونے کا مطلب کیا ہے؟ اسے ہم نہیں سمجھ سکتے۔

علی نقی النقوی

۴؍ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ (علی گڑھ)

باب ۳

سنی شیعہ اتحاد کی ضرورت

ڈاکٹر مظہر علی خان ملک ربانی وسابق صدر پاکستان لیگ آف امریکہ موجودہ صدر انجمن سائنس دانان وپیشہ وران (شیعہ لاہور ۱۶؍مئی ۱۹۸۳ء)

تعارفی نوٹ از قلم مدیر شیعہ

پاکستان کے ڈاکٹر مظہر علی بنیادی طور پر ایک انجینئر، سائنس داں اور ماہر اقتصادیات ہیں۔ ترقی پذیر ممالک میں خوراک پلاننگ، انجینئرنگ کی تعلیم اور صنعتی انجینئرنگ کے اطلاق پر ان کی تحقیقات انگلینڈ، امریکہ اور آسٹریلیا میں چھپ کر عالمی شہرت حاصل کر چکی ہیں پاکستان میں بھی انھوں نے ہی حکومت پاکستان کی دعوت پر بی۔ایس۔سی۔ (صنعتی انجینئرنگ) کا سیلیبس تیار کیا تھا۔ ان کا نام امریکہ کے سائنس داں اور ''دنیا میں کون کیا ہے؟'' میں درج ہے۔ وطن کی خدمت کا جذبہ انھیں ورثہ میں ملا ہے۔ ان کے والد مرحوم ملک فتح محمد اعوان جنگ آزادی میں انگریزوں کی قید میں رہے۔ یہ مضمون اسی جذبہ کی عکاسی ہے۔　(ادارہ)

ایک طولانی تمہید کے بعد جو پاکستان کے حالات سے متعلق ہے، وہ تحریر کرتے ہیں:

شاید ہم بھول گئے ہیں کہ اپنے وقت کا سب سے بڑا تہذیب وعلم وفن کا مرکز بغداد سنی شیعہ فساد کی نذر ہو گیا۔ عباسی خلافت ہلاکو خان کے ہاتھوں ایسی تاخت وتاراج ہوئی کہ ملت اسلامیہ پھر متحد نہ ہو سکی اور آج چالیس ملکوں میں بٹی ہوئی ہے۔

بات لمبی تو ہو جائے گی لیکن آیئے ذرا بغداد کی دردناک کہانی کو دہرالیں۔

اس وقت کے بغداد میں دس دس روز شیعہ سنی مناظرے ہوتے رہتے تھے۔ آپس میں ہمیشہ بحث اور ایک دوسرے پر طعن واعتراضات زندگی کا حصہ بن چکے تھے۔ ایک دن کسی شیعہ نے یا شاید کسی فساد کرانے والے نے اشتہار چھاپ کر ایک دو سنی مسجدوں پر لگا دیئے جن میں ان ہستیوں پر نکتہ چینی کی ہوئی تھی جن کو اہلسنت محترم گردانتے ہیں لہٰذا سنیوں کے جذبات مشتعل ہو گئے اس وقت وہاں سے کچھ شیعوں کا گذر ہو رہا تھا۔ سنیوں کے ایک ہجوم نے ان پر حملہ کر کے انھیں قتل کر ڈالا۔ جب یہ اطلاع شیعوں کے محلہ (محلہ کرخ) میں پہنچی تو انھوں نے باقاعدہ منظم اور مسلح ہو کر سنیوں کے اسی محلہ پر حملہ کر کے سیکڑوں افراد کو تہہ تیغ کر دیا۔ سنیوں کے سرکردہ افراد خلیفہ کے پاس احتجاج لے کر گئے۔ خلیفہ نے تو صلح وصفائی کا راستہ اپنانے کی کوشش کی لیکن ولی عہد کے جوان خون نے جوش مارا۔ اس نے سپہ سالار سے سازش کر کے پچاس ہزار جوانوں کو ایک ترک دستے کے ساتھ جو کہ تمام کا تمام سنی تھا، حکم دیا کہ محلہ کرخ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔

ان دنوں عباسی حکومت کا عجب عالم تھا۔ خلیفہ سنی تھا لیکن وزیر اعظم شیعہ ہوا کرتا تھا۔ شیعہ وزیر اعظم سنی خلیفہ کے پاؤں پر سر رکھ کر رحم کی بھیک مانگتا رہا۔

خلیفہ اپنی بے بسی کا اظہار کرتا رہا۔ اس دوران فوج نے محلہ کرخ کو ملیا میٹ کر دیا۔ صرف وہی لوگ بچے جو بھاگ سکے۔

خلیفہ نے دوسرے دن بڑی مشکل سے قتل عام بند کرایا تو اس بدقسمت ملک کا شیعہ وزیر اعظم (ابن علقمی) گھر لوٹا۔ بیٹوں کی لاشیں دیکھیں، شاید برداشت کر جاتا۔ لیکن ساتھ ساتھ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کی بھی نیم برہنہ لاشیں دیکھیں۔ ابن علقمی نے آسمان کی طرف دیکھا اور فریاد کی:

''یا خدا یا جو حال میرے گھر کا ہوا ہے میں سارے بغداد کا یہ حال دیکھنا چاہتا ہوں۔''

کچھ عرصہ بعد ابن علقمہ نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ بغداد علم وفن کا مرکز ہے اتنی بڑی فوج خزانے پر غیر ضروری بوجھ ہے خلیفہ خود فوج کی طاقت سے خائف تھا چنانچہ اس نے فوج کو ڈسمس کر دیا۔ دوسری طرف ابن علقمی نے ہلاکو خان کو پیغام بھیج دیا کہ میدان خالی ہے۔ ہلاکو خان کے حملہ کی خبر خلیفہ سے پوشیدہ رکھی گئی۔ اسے تب پتہ چلا جب ہلاکو خاں کی فوج صرف تین منزل دور تھی۔ درباریوں کے مشورے پر خلیفہ ہیرے جواہرات لے کر اور کنیزیں لے کر ہلاکو خان کے استقبال کو بڑھا۔ ہلاکو خان نے خلیفہ کو نمدے

میں کس کر ہاتھی کے آگے ڈال دیا۔ پھر وحشی تاتاریوں نے بغداد میں اس طرح قتل عام کیا کہ کئی دن تک دریائے دجلہ وحیلہ میں خون بہتا رہا۔ علم وفن کے تمام مراکز لائبریریاں اور یونیورسٹیاں جلا دی گئیں اور مسلمان سائنس دانوں نے جو تحقیقات پچھلی پانچ صدیوں میں کی تھیں، ان کی صرف یاد رہ گئی۔

اب ہم بصد احترام اپنے علمائے کرام سے بات کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ اہلسنت علماء کو گلہ ہے کہ شیعہ حضرات خواہ مخواہ سچ کو جھٹلاتے ہیں اور اپنی جگہ شیعہ علماء کو حیرت ہے کہ اہلبیت رسولؐ کے لئے صریحی نص کی موجودگی میں ساری دنیا کیوں شیعہ نہیں ہوئی؟ لیکن سب کے سنی نہ ہونے یا سب کے شیعہ نہ بن جانے کی یہ وجہ ہرگز نہیں کہ شیعہ بددیانت ہیں یا سنی عقل کے کورے ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی دو انسان ہر وقت ہر بات پر متفق نہیں ہوسکتے۔ یہ بات انسانی نفسیات کا خلاصہ ہے۔ یہ نہ ہوتا تو باپ بیٹے میں بھی تلخ کلامی نہ ہوتی۔ میاں بیوی میں بھی جھگڑا نہ ہوتا۔ عام انسانوں کی کیا بات کریں۔ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے ججوں کو لے لیجئے۔ یہ حضرات بہت زیادہ پڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اپنے میدان کے ماہر مکمل، دنیوی طور پر جہاں دیدۂ تجربہ کار، فراخ دل، ملک وقوم سے محبت کرنے والے رحم دل اور ہم عام لوگوں کی نسبت کہیں زیادہ دیانتدار ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کے اکثر فیصلے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ کئی دفعہ دو یا تین فاضل ججوں کا ایک بنچ ہی مقدمہ کی سماعت کرتا ہے۔ جو شہادتیں اور گواہ پیش ہوتے ہیں، وہ سب کے سامنے ہوتے ہیں۔ وکیل استغاثہ اور وکیل صفائی کو دونوں یا تینوں جج اکٹھے ہی سنتے ہیں اور ایک ہی قسم کا قضیہ سننے اور اس کا تجزیہ کرنے کے بعد ان کے فیصلے مختلف ہوتے ہیں لہٰذا سنی شیعہ اتحاد کی بنیاد یہ ہوسکتی ہے کہ کوئی سنی کسی شیعہ سے یہ توقع نہ کرے کہ وہ اول الذکر کی مرضی کے مطابق ہوجائے گا اور کوئی شیعہ کسی سنی سے عقیدے کے معاملے میں کوئی مطالبہ نہ کرسکے۔ ہوسکے تو ایک دوسرے کے جذبات کا خیال رکھیں اور ایک دوسرے کا دل نہ دکھائیں لیکن نہ ہوسکے تو نہ سہی۔ اتحاد کی ایک یہ بنیاد ہوسکتی ہے کہ دونوں فرقے ایک دوسرے سے رواداری کی توقع نہ رکھیں اور اگر کوئی رواداری برتے تو اسے اس کی مہربانی سمجھیں لیکن اگر کوئی آدمی چوری کرتا ہوا پکڑا جائے تو کیا پکڑنے والوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہیں اس کے ہاتھ کاٹ دیں؟ نہیں، یہ حق ہرگز نہیں۔ یہ حق صرف حکومت کو حاصل ہے۔ اسی طرح اگر ہم کسی آدمی کو دیکھتے ہیں کہ وہ ایسی باتیں کررہا ہے جو ہمارے اعتقاد کے خلاف ہیں تو ہمیں اس آدمی کو سزا دینے کا کوئی حق نہیں۔ ہم اگر چاہیں تو یہ کرسکتے ہیں کہ نماز پڑھ کر اس انسان کے خلاف اللہ سے شکایت کریں، لیکن ہمیں اس آدمی کو سزا دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

اگر قارئین کرام اجازت دیں تو ہم کھل کر بات کرنا چاہتے ہیں۔ کیا شیعوں کو یہ گلہ ہے کہ اہلسنت آل رسولؐ کے دشمنوں سے محبت کرتے ہیں؟ اگر ہے تو نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اپیل کریں کہ ایسے سنی کا مکان جلا دے۔ اسی

طرح کیا سنیوں کو یہ گلہ ہے کہ شیعہ کچھ اصحاب رسولؐ پر تنقید کرتے ہیں۔ اگر ہے تو جس رسولؐ کی وجہ سے ان اصحاب سے محبت ہے، اسی کا واسطہ دے کر دعا کریں کہ ایسا شیعہ شام ہونے سے پہلے ختم ہوجائے لیکن کسی سنی کو یہ حق نہیں کہ اس شیعہ کو خود جاکر قتل کرے۔ ہم لوگ صرف استغاثہ کر سکتے ہیں۔ سزا کا حق صرف اس قاضی المطلق کو ہے۔

مشترک بنیادوں پر اتحاد کی ضرورت

عالم اہلسنّت مولانا کوثر نیازی صاحب قبلہ

(جنگ کراچی ۵رشعبان ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹رمئی ۱۹۸۳ء)

ذکر حسینؑ وہ ذکر ہے جس نے مسلمانوں کو ہر دور میں ہر جبر اور استبداد کے سامنے سینہ سپر ہونے اور اسلام کی حقانیت کو زندہ اور جاوداں رکھنے کے لئے اپنی ہستی کو فنا کرنے کا سبق دیا۔

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دین کے بنیادی اقدار اور انسانی زندگی کے اس ربانی طریق جہد وعمل کی عظمت اور سچائی کا اظہار فرمانے کے لئے میدان کربلا میں جلوہ افروز ہوئے اور اپنے اور اپنی اولاد کا خون دے کر اس طریق جہد وعمل کو جاوداں فرما گئے۔ اس سچائی کا راستہ روکنے کے لئے طاغوتی طاقتیں ہجوم در ہجوم آئیں۔ انھوں نے سچائی کے اس عظیم اور بے مثال علمبردار کا سر کاٹ کر نیزے پر بلند کردیا اور خوشیوں کے شادیانے بجائے لیکن تاریخ نے دیکھا کہ سچائی خون آلود ہونے کے بعد سربلند ہے اور جھوٹ کی ہر خوشی غلط اور جھوٹی ثابت ہوئی۔ حسینؑ آج بھی زندہ ہیں اور یزید ایک مدت ہوئی فنا کے گھاٹ اتر گیا۔ یہ عظیم یاد اسلامی دنیا کے گوشے گوشے میں مختلف طریقوں سے منائی جاتی ہے۔ عزاداران حسین ÷ ماتم کرکے اس حقیقت کو یاد کرتے ہیں تو وہ لوگ جو اس واقعہ کو فکر ونظر کے مختلف زاویوں سے سوچتے ہیں، وہ اپنے انداز سے اس کے تذکرے سے اپنی محفلوں کو بقعۂ نور بناتے ہیں۔ طریقہ جو بھی ہو، اس میں مشترک بات یہ ہوتی ہے کہ سچائی کو سربلند رکھنے کے لئے جان دے دینا مہنگا سودا نہیں۔ یادگار کا یہی مشترک پہلو اسلام کی وساطت سے مسلمان قوم کو نیا خون، نیا ولولہ اور نیا حوصلہ دیتا رہا ہے۔ اس نئے حوصلے سے ہر دور میں کئی نئے سورج ابھرے ہیں۔ مسلم ممالک کی حالیہ تاریخ ایسے ہی نئے سورجوں کی تاریخ ہے۔ افریقہ میں، مشرق وسطیٰ میں، ہندوستان میں، جنوب مشرقی ایشاء میں ایک نہیں، کئی سویرے ہوئے اور ہر سویرے کی شفق میں خون حسینؑ کی سرخی ہر صاحب نظر کو جھلکتی نظر آئی۔

ظاہر ہے اس بے بدل واقعہ کی یہ مشترک قدر اس قابل نہیں کہ اس کو یاد کرنے کے طریقوں کے اختلاف پر قربان کرکے بے مصرف اور غیر موثر بنادیا جائے۔ اس اختلاف سے کہیں عظیم، کہیں بڑا، کہیں مفید اور کہیں اونچے درجہ کا اشتراک ہے جس پر ہزار اختلاف قربان کئے جاسکتے ہیں۔ ہمیں اس واضح فرق کو محسوس کرنا چاہئے اور حسین ÷ کی مشترک اور ہر لحاظ سے یقینا غیر اختلافی شخصیت کی عظمتوں سے وہ فائدہ اٹھانا چاہئے جو اس کا حقیقی فائدہ ہے اور اسے چھوٹے چھوٹے اختلافات کی نذر کرکے اپنے پیروں پہ آپ کلہاڑی نہیں مارنا چاہئے۔ یاد منانے کے طریقوں کا

اختلاف قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور اگر یہ اختلاف جناب امامؑ کے حقیقی مقصود کی نفی کرنے پر اتر آئے تو اس کی منفی اہمیت نہایت تکلیف دہ اور دلخراش ہوجائے گی۔

ہم میں کوئی اس بات کا دعویٰ نہیں کرسکتا کہ شیعہ، سنی دو الگ ''دین'' ہیں۔ یہ بات مسلّم ہے کہ شیعہ سنی دومسلک ہیں، دودین نہیں۔ یہ ایک ہی دین کی دومختلف تعبیریں ہیں۔ دومختلف ذہنی زاویے ہیں جنھوں نے اپنے اپنے طریقے سے تاریخ کو پڑھا۔

تاریخ ایک علمی موضوع ہے اور اسے اپنے اپنے انداز میں پڑھنے پر کوئی دینی قدغن نہیں لگائی جاسکتی۔ دین کی تفسیر کے انداز بھی مختلف ہوسکتے ہیں اور اس اختلاف کے لاتعداد طریقوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

امت محمدیہ کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ ان دونوں اختلافات نے جب بھی اس حد تک شدت اختیار کی کہ ان دونوں (عمل اور وحدت فکر) کو صدمہ پہنچا تو ملت پارہ پارہ ہوگئی۔ ہلاکو خان نے شیعہ وسنی دونوں کو مسلمان جان کر قتل کیا اور دجلہ وفرات دونوں کے خون سے رنگین ہوگئے لیکن جب یہ اختلافات اپنے وجود کے باوجود بنیادی مرکزیت عمل اور وحدت فکر کے ساتھ پیوستہ رہے اور اس کے تحت رہ کر اپنے طور پر قائم رہے۔ عظیم سلطنتیں ابھریں اور دنیا کی جغرافیائی حدیں ٹوٹ گئیں۔ تاریخ ایک بار نہیں دس ہزار بار اس واقعہ کا تجربہ کرچکی ہے۔

حضرت امام حسینؑ سب کے تھے، سب کے ہیں اور سبھی کے رہیں گے۔ ان کی کوئی پارٹی نہیں تھی۔ ان کے نانا کی امت کا ہر فرد انھیں دل سے عزیز تھا۔ جب بے خبر اور ناسمجھ جلاّدوں نے ان کی مبارک گردن پر ستم کے خنجر چلائے، اس وقت ان کی زبان سے اس امت کے لئے دعا نکلی۔ اس روایت کی تاریخی تحقیق سے بحث نہیں ہے لیکن جو لوگ اسے صحیح سمجھتے ہیں، وہ اس کے سبق آموز پہلو پر توجہ فرمائیں کہ جناب امام حسینؑ کا کٹا ہوا سر جب نیزے پر بلند ہوا تو قرآن پڑھ رہا تھا۔ امام حسینؑ آج بھی ہمیں قرآن پڑھنے اور خدا کے اس آخری پیغام کی طرف آنے کی دعوت دیتے معلوم ہوتے ہیں جس کا سرعنوان یہ ہے کہ ''مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں لیکن دنیا کے ہر نظریئے اور ہر خیال کے ساتھ جو سلوک ہوتا ہے مسلمانوں کے بھائی چارے کے عظیم تصور اور زندگی بخش نظریہ کے ساتھ بھی ہوا یعنی یہ کہ یہ نظریہ کتابوں میں بڑے احترام سے لکھ لیا گیا اور اسے خوبصورت جلدوں میں مقید کرکے طاقچوں پر رکھ دیا گیا۔ ان طاقچوں کو مٹی، گرد اور دھول نے اپنا تخت طاؤس بنایا اور کتابوں کو دیمک نے من وسلویٰ کا خوان نعمت سمجھا۔ عملاً مسلمان اس نظریئے سے بے تعلق سے ہوگئے۔

یہ بات کون نہیں جانتا کہ شیعہ اور سنی مکاتب فکر میں سو میں سے نوے باتیں متفق علیہ ہیں۔ زیادہ سے زیادہ صرف دس باتیں اختلافی ہوں گی لیکن ہونے یہ لگا کہ ان نوے باتوں کا ذکر تو کسی جلسہ یا مجلس میں نہیں ہوتا۔ البتہ ان دس باتوں کی صدائے بازگشت سے ہر محراب ومنبر گونج رہا ہے۔

قرآن حکیم نے تو اہل کتاب کے بھی مشترک بنیادوں

پر دعوت اتحاد دینے میں کوئی عار محسوس نہیں کی تھی مگر ہم ایک رسول کی امت ہونے پر بھی مشترک بنیادوں پر اتحاد کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

باب ۴

اے کلمہ گو مسلمانو!

جناب رئیس احمد صاحب جعفری (پاکستان)

(رضا کار لاہور ۲۴ مئی ۱۹۸۳ء)

اسلام نے تمہیں مومن اور مسلم کہا۔ تم نے اپنے آپ کو شیعہ اور سنی کہنا شروع کر دیا۔ اسلام نے توحید اور اقرار رسالت کو مدار اسلام قرار دیا۔ تم نے قبول اسلام کے لئے اپنی طرف سے نئے نئے شرارہ اضافہ کر لئے۔

اسلام نے تمہیں ''بنیان مرصوص'' سیسہ پلائی ہوئی دیوار کہا تھا لیکن تم نے افتراق پسندی کے باعث اس دیوار آہن کو تار عنکبوت بنا دیا۔ اسلام نے مرد مومن کی تعریف کی تھی۔ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّار رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (آپس میں رحیم، کفار کے مقابلہ میں سخت) تم نے کافروں سے رحم خوئی اختیار کی اور مسلمانوں سے سختی و درشتی کا برتاؤ کیا۔ اسلام نے پوری معنویت کے ساتھ تم میں اخوت کا رشتہ پیدا کیا اور تمہیں بھائی بھائی بنا دیا۔ لیکن تم ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگے۔ اسلام نے تمہیں ''خیر امت'' کا خطاب دیا تھا مگر تم نے اس کی قدر نہ کی اور خیر کے مقابلہ میں شر کو اپنا لیا۔ بتاؤ۔

''کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

شیعو! اور سنیو! تم اتنے ہی قدیم ہو جتنا اسلام۔

اس چودہ سو برس کی طویل مدت میں تم ایک دوسرے کے خلاف صف آرا عدد بنے۔ ایک دوسرے سے نبرد آزما رہے تم نے تلواریں بھی نکالیں اور تیر بھی پھینکے، سینے بھی چھیدے، گردنیں بھی کاٹیں اور خون بھی بہایا مگر کیا تم ایک دوسرے کو ختم کر سکے؟ کیا اسلام کا کوئی گوشہ ایسا ہے جہاں تم دونوں موجود نہ ہو؟ کیا تم میں سے کوئی صرف اپنا وجود قائم رکھنے اور دوسرے کے وجود کو مٹا دینے میں کامیاب ہوا؟ جو کام تم چودہ سو برس میں نہیں کر سکے! وہ اب کیسے کرو گے؟

دلی پر مغلوں نے حکومت کی تھی، وہ سنی تھے۔ لکھنؤ پر نوابان اودھ حکمران تھے، وہ شیعہ تھے۔ بیجاپور، گولکنڈہ وغیرہ کی حکومتیں شیعہ تھیں۔ حیدر آباد کی حکومت سنی تھی۔ یہ ساری حکومتیں شخصی اور مطلق العنان تھیں مگر کیا ان حکومتوں میں صرف وہی لوگ بستے تھے جو حکمران کے ہم مذہب ہوں؟ کیا مغلوں کے وزیر شیعہ نہ تھے؟ کیا شیعوں کے دربار میں وزارت اور سفارت کے مناصب سنیوں کو تفویض نہیں ہوئے تھے؟ تو کتنی عجیب بات ہے۔

مطلق العنانی کے دور میں تم ایک دوسرے کو ختم نہیں کر سکے اور اب اینٹیں، پتھر اور سوڈے کی بوتلیں ایک دوسرے کے سر پر پھینک کر یہ توقع کرتے ہو کہ فریق مخالف کا وجود مٹا دو گے

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے اسدؔ

مغرب اقصیٰ اور مصر پر کئی سو برس تک، شام، حجاز، عراق اور یمن پر عرصہ دراز تک شیعوں نے حکومت کی اور بڑے جاہ و جلال کے ساتھ کی۔ تاریخ کے اوراق ان کے

دبدبے اور طنطنے کی داستانوں سے بھرے پڑے ہیں لیکن کیا آج ان مقامات میں سنیوں کی اکثریت نہیں ہے؟ بغداد پر پانچ سو سال سے زیادہ عباسیوں کا پرچم اقبال بلند ہوا اور بعض خلفاء وقتاً فوقتاً شیعوں سے الجھتے رہے لیکن کیا وہ حدود مملکت سے شیعوں کو نکال سکے اور پھر بنی عباسیوں کا آفتاب اقبال جب گہن میں آیا اور ایک شیعہ خاندان دیالمہ ان کا متولی بنا تو کیا اس نے بغداد کو شیعہ کر لیا؟

تاریخ افسانہ نہیں لیکن افسانے سے کہیں زیادہ دلچسپ ہوتی ہے اور سبق آموز، طلسم ہوش ربا کے اوراق کھنگالو اور دیکھو کہ بدترین دشمنی کے باوجود تم ایک دوسرے کو ختم کرنے میں کامیاب ہو سکے؟ تمہاری خانہ جنگی اور کشت وخون نے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ تم تب بھی موجود تھے، اب بھی موجود ہو اور ہمیشہ موجود رہو گے لیکن کیا تمہاری اس حرب و پیکار باہمی نے کئی اسلامی حکومتوں کا چراغ نہیں گل کر دیا؟ کیا تمہاری قابل رشک تہذیب وتمدن کے نقوش فنا نہیں کر دیئے؟ کیا تمہارے اقبال وسطوت کو داستان ماضی نہیں بنا دیا؟

تم سلامت رہے مگر تم نے اسلام کو فنا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ تمہارے زخم مندمل ہو گئے لیکن جو زخم جس دم اسلام پر لگے تھے، وہ آج تک رس رہے ہیں۔ تمہاری زندگی کا رشتہ قائم رہا مگر اسلام کے حلقوم پر کند چھری چلتی رہی۔

کاش تم مٹ گئے ہوتے مگر اسلام کی شان وتجمل میں کمی نہ آنے پائی ہوتی۔ پر کاش تم اس حقیقت کو سمجھ لیتے:

من و تو گر فنا شدیم چہ باک
غرض اندر میاں سلامتی است

تم ہزار بار مرے مگر اسلام کو سلامت رکھنے کے لئے۔

شیعو! اور سنیو! تم نے نہ سوچا، یہ بھی نہ دیکھا کہ تم ایک جسم کی دو آنکھیں ہو۔ ایک گاڑی کے دو پہیے ہو۔ ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہو۔ اسلام نے دنیا کو تہذیب وثقافت کی صورت میں جو کچھ دیا ہے، اسے اگر آپس میں تقسیم کر لو تو کیا باقی رہ جائے گا؟ ہر چیز ناقص، نامکمل، بے مایہ۔

تم نے دنیا کو بڑی اچھی اچھی عمارتیں دیں لیکن وہ صرف شیعوں یا سنیوں کی بنائی ہوئی تھیں؟ الحمراء سے لے کر تاج محل تک ذرا ایک تاریخی جائزہ لے کر دیکھو۔

تم نے علم کا چراغ ظلمت کدۂ فرنگ میں روشن کیا اور حکمت کی روشنی پھیلائی لیکن ایمان داری سے کہہ سکتے ہو کہ یہ صرف تم میں سے ایک کا کارنامہ ہے؟ کیا مصر کی جامع الازہر شیعوں کی ناقابل فراموش یادگار نہیں؟ کیا بغداد کا مدرسہ نظامیہ سنیوں کا کارنامہ نہیں، یوں ان علمی کارناموں کو تقسیم کر کے تم فخر سے اپنا سر اونچا کر سکتے ہو؟ کیا یہ کارنامے مسلمانوں کے نہ تھے، شیعوں اور سنیوں کے تھے؟ صرف شیعوں کے؟ صرف سنیوں کے؟

تمہیں فخر ہے کہ دنیا کو تاریخ کے فن سے تم نے آشنا کیا ہے اور یہ فخر بے جا بھی نہیں۔ اور واقع اور عین حقیقت ہے مگر کیا تاریخ کی بہترین کتابیں الفخری اور مسعودی وغیرہ شیعوں کی لکھی ہوئی نہیں ہیں؟

تمہارا دعویٰ ہے کہ اور بجا دعویٰ ہے کہ منطق اور فلسفہ کو

تم نے زندہ کیا۔تم نے یونانی اور ہندی زبانوں کی کتابوں کے ترجمے کئے اور اس میں اتنا اضافہ کیا، اتنی اصلاح کی کہ اسے ایک نیا فن بنا دیا جس کے خالق صرف تم تھے لیکن کیا ابن رشد، قلابی، ابن ماجہ وغیرہ سنی نہیں تھے؟

ریاضی اور جغرافیہ، ہندسہ اور ہیئت، طب اور سرجری، تصوّف اور روحانیت، ادب اور شاعری غرض جملہ علوم معقول و منقول میں تمہارے لازوال اور غیر فانی کارنامے مشترک نہیں ہیں؟ کیا ان پر صرف شیعیت اور سنیت کا لیبل لگایا جا سکتا ہے؟ کلاّ ثم کلاّ۔

ہندوستان میں تمہاری سیاست کا طوفان بدوش ہنگامہ خیز اور انتشار انگیز دور کیا بھلایا جا سکتا ہے؟

اس جدوجہد میں کیا محسن الملک کے ساتھ ساتھ سنیوں سے کہیں زیادہ تعداد میں شیعہ شریک نہ تھے؟ مہاراجہ محمود آباد، آغا خان، سر علی امام، حسن امام، سر سلطان احمد، اکبر حیدری، عماد الملک بلگرامی کیا شیعہ نہ تھے؟ کیا ان کے احسانات فراموش کئے جا سکتے ہیں؟

مشہد مقدس پر جب بمباری ہوئی تھی، ایران پر جب روس کے دندان آز تیز ہو رہے تھے اور فرنگی حکومتیں اسے اپنی نوآبادی بنانے پر تلی ہوئی تھیں، کیا وہ محمد علی نہ تھا جو شیعوں کی حمایت میں ڈٹ گیا؟ کیا وہ ابوالکلام نہ تھا جس کے الہلال سے اس سلسلہ میں گراں بہا ضمانت طلب ہوئی تھی؟ کیا وہ سید سلیمان ندوی نہ تھا جس نے ''مشہد مقدس'' کے عنوان سے ایک لرزہ خیز مقالہ لکھ کر مسلم ہندوستان میں تہلکہ مچا دیا تھا؟

کیا یہ سب سنی نہ تھے؟ کیا تمہاری سیاست ملی کی تاریخ بھی شیعہ اور سنی میں منقسم ہو سکتی ہے؟ کیا وہ مشترک اور ناقابل تقسیم میراث نہیں ہے؟

پھر ہندوؤں کی چیرہ دستی، تنگدلی، تعصّب اور ہوس استعمار سے تنگ آ کر جب تم نے اپنا ایک جداگانہ وطن بنانے کا فیصلہ کیا تو کیا قائداعظم بنانے کے لئے تمہارے اقبالؔ، تمہارے شوکت علی اور تمہارے شبیر احمد عثمانی کی نگاہ انتخاب محمد علی جناح پر نہیں پڑی جو شیعہ تھا۔کیا جناح کے سوا کوئی اور بھی پاکستان کی جنگ لڑ سکتا تھا؟ لڑ کر کامیاب ہو سکتا تھا؟ کیا تمہارے سواد اعظم نے اس کے سر پر قیادت عظمیٰ کا تاج نہیں رکھا تھا؟ کیا اسے صرف سنی قائداعظم بنا سکتے تھے؟ کیا صرف شیعہ یہ منصب اسے سونپ سکتے تھے؟ کیا تمہاری عظیم ترین اکثریت نے جس میں غالب ترین اکثریت سنیوں کی تھی، یہ منصب اسے نہیں سونپا تھا؟ راجہ محمود آباد، راجہ غضنفر علی خان اور دوسرے شیعہ اکابر نے بڑھ چڑھ کر اس تحریک میں حصہ نہیں لیا تھا؟

کشمیر تمہارے لئے برسوں سے زندگی اور موت کا مسئلہ بنا ہوا ہے۔امریکہ، روس، فرانس اور دوسرے ممالک کو چھوڑ کر بتاؤ کن اسلامی ممالک نے اس بات میں تمہارا ساتھ دیا؟ تمہاری حمایت کی؟

کیا مصر نے؟

عراق نے؟

یمن نے؟

سعودی عرب نے؟

افغانستان نے؟

لیبیا نے؟

انڈونیشیا نے؟

ملایا نے؟

شام نے؟

مشرق اردن نے؟ یقینا جواب ہوگا کسی نے بھی نہیں لیکن ان سنی ممالک کے مقابلے میں اگر ایران کا نام لیا جائے جو ایک شیعہ ملک ہے، کیا پھر بھی تم انکار کرسکو گے؟ کیا ایران قیام پاکستان سے اس وقت تک مسلسل اور غیر منقطع طور پر ہر معاملے میں تمہارا ساتھ نہیں دیتا رہا ہے؟ کیا ایک سے زائد بار اس کے شہنشاہ نے خود افغانستان جاکر اور افغانستان کے وزیر خارجہ کو تہران بلاکر دو سنی ملکوں پاکستان اور افغانستان کے مابین تعلقات کی بحالی کی دل وجان سے کوشش نہیں کی؟

شیعو اور سنیو! تم ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہو۔ ایک دوسرے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے پر مجبور ہو۔ ہرگز اور کبھی ایک دوسرے کو فنا نہیں کرسکتے۔ لہٰذا بھائی بن کر رہو۔ بھائی بن کر لڑو اور بھائی بن کر لڑنے کے بعد گلے لگ جاؤ۔ جو زخمی ہوں خواہ وہ شیعہ ہوں، یا سنی بہرحال وہ مسلمان تھے لہٰذا ان کی ہلاکت تم اپنے بھائی کی ہلاکت سمجھو اور اس داغ کو اپنے آنسوؤں سے دھوڈالو۔

❁❁❁

بقیہ......**اتحاد بین المسلمین کا عالمی منشور**......................

خدائی وعدوں پر سچے یقین کے ساتھ وارد میدان ہوں

دنیائے اسلام کو چاہئے کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی عزت وسربلندی، استقلال وخودمختاری اور علمی پیش رفت کے حصول اور معنوی قدرت کو پانے کے لئے کوشش کرے یعنی دین سے تمسک کرے، خدا پر توکل اور نصرت الٰہی پر یقین کے لئے کوشش کرے۔ ''عِدَاتُکَ لِعِبَادِکَ مُنْجِزَہٗ''، یہ خدا کا وعدہ اپنے بندوں کے لئے حتمی اور یقینی ہے اور پورا ہوکر رہے گا۔ یہ خدا کا سچا وعدہ ہے کہ ''وَ لَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ'' جو بھی خدا کی مدد کرے گا تو خداوند عالم اس کی حتمی اور یقینی مدد کرے گا لہٰذا دنیائے اسلام کو چاہئے کہ اس وعدے پر یقین کامل رکھتے ہوئے وارد میدان ہو۔ یہ عمل صرف اسلحے کو ہاتھ میں اٹھانا نہیں ہے بلکہ فکری، عقلی، اور عملی ہے اور یہ ایک اجتماعی اور سیاسی عمل ہے کہ سب خدا اور اتحاد بین المسلمین کے لئے قدم اٹھائیں۔ اس عمل سے مسلمان اقوام بھی مستفید ہوں اور اسلامی حکومتیں بھی۔ اگر اسلامی حکومتیں، امت مسلمہ کے بحر بیکراں میں شامل ہوجائیں تو ان کی قدرت وطاقت میں اضافہ ہوجائے گا نہ کہ امریکی سفیر یا فلاں امریکی سیاستداں پر تکیہ کرنے سے، یہ تمام چیزیں انھیں قدرت نہیں دے سکتیں۔ لیکن اگر یہی اسلامی حکومتیں، امت مسلمہ کے ساتھ مل جائیں اور ایک دوسرے کے نزدیک وقریب آجائیں تو ایسے موقع پر وہ استکبار کے لئے یہ موقع نہیں آنے دیں گی کہ وہ ایک اسلامی حکومت کو اپنا ہدف بناتے ہوئے اسے نابود کرکے ایک دوسری اسلامی حکومت کی تلاش میں نکل پڑے! اس مسئلے کی طرف سب کو توجہ کرنی چاہئے اور اسلامی حکومتوں کو متحد ہونا چاہئے اور وہ یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ وہ متحد ہوسکتی ہیں۔

❁❁❁